یزیدؒ کے پاس ملک شام چلا جانا پسند کیا

کوفہ کا راستہ چھوڑ کر ملک شام (دمشق) جانے کا جو راستہ حضرت حسینؓ نے اختیار کیا تھا وہ راستہ وہی ہے جو قادسیہ سے بائیں جانب مڑ کر قصر مقاتل اور قریات الطف ہو کر جن میں کربلا کا میدان بھی شامل تھا سیدھا دمشق جاتا تھا معجم البلدان میں یاقوت حموی نے اس راستہ کی تصریح ان الفاظ میں کی ہے۔

اذا خرجت من القادسیة ترید الشام ومنه الی قصر مقاتل ثم القریات ثم السماوة (ص۱۲۵ ج۷ مطبوعہ لیپزک ۱۸۶۸ء)	جب قادسیہ سے نکل کر ملک شام جانے کا ارادہ کرے تو وہاں سے قصر مقاتل جائے پھر قریات (دار الطف) پھر سماوہ

ابو مخنف اور دوسرے راویوں کا بیان ہے کہ قادسیہ والعذیب کے راستہ سے مڑ کر آپ ذوحسم و قصر مقاتل ہو کر ان مقامات پر ٹھہرتے ہوئے کربلا گئے تھے حضرت ابو جعفر محمدؐ (الباقرؒ) اپنے والدین اور دادا کے ساتھ کربلا میں موجود تھے اگرچہ اس وقت وہ اتنے کمسن تھے کہ شاید کوئی بات خود تو یاد نہ ہوگی۔ اپنے والد اور دوسرے عزیزوں سے حالات یقیناً سنیں ہوں گے۔ حضرت موصوف سے ایک شیعہ راوی عمار الدہنی نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ مجھ سے قتل حسینؓ کے واقعہ کو اس طور سے بیان کیجئے کہ گویا میں خود وہاں موجود تھا (اور اپنی آنکھوں سے یہ واقعات دیکھ رہا تھا)
حدثنی مقتل الحسینؓ حتی کانی حضرة (ص۲۲۰ ج۶ طبری)

حضرت موصوف نے مقتل حسینؓ کے واقعات بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ

فاقبل الحسین بن علی بکتاب مسلم بن عقیل کان الیحتی اذا کان بینه وبین القادسیة ثلاثة امیال لقیه الحر بن یزید التمیمی فقال له این ترید قال ارید هذا المصر قال له ارجع فانی لم ادع لک خلفی خیرا ارجوه فهم ان یرجع وکان معه اخوة مسلم بن عقیل فقالوا والله لا نرجع حتی	حسین بن علیؓ کو جب مسلم بن عقیلؓ کا خط پہونچا تو آپ (مکہ سے روانہ ہو کر) ابھی اس جگہ تک پہنچے تھے جہاں سے قادسیہ تین میل تھا کہ حر بن یزید تمیمی سے ملاقات ہوئی، اس نے پوچھا آپ کہاں جا رہے ہیں کہا اسی شہر میں جانا چاہتا ہوں حر نے کہا کہ آپ لوٹ جائیے وہاں آپ کے لئے کسی بہتری کی مجھے امید نہیں ہے۔ اس پر آپ نے

نصیب ثارنا او نقتل فقال لا خیر فی الحیاة بعدکم فسار فلقیه اوائل خیل عبید الله فلما رای ذلک عدل الی کربلاء (ص۲۲۰ ج۶ طبری)	لوٹ جانے کا ارادہ کیا مسلمؒ کے جو بھائی آپ کے ساتھ تھے انھوں نے کہا واللہ ہم اس وقت تک نہیں لوٹیں گے جب تک ہم اپنا انتقام نہ لیں یا ہم بھی سب قتل نہ ہو جائیں۔ آپ نے کہا کہ تمہارے بعد ہمیں بھی زندگی کا لطف نہیں یہ کہہ کر آپ آگے روانہ ہو گئے اتنے میں عبید اللہ کے لشکر کا ہراول سامنے آگیا تو کربلا کی جانب پلٹ گئے۔

حضرت ابو جعفر محمد (الباقر) کی اس روایت سے بھی صاحب عمدة الطالب کے اس بیان کی تائید ہوتی ہے کہ حضرت حسینؓ از خود اس راستہ کی طرف مڑ گئے تھے جو کربلا ہو کر دمشق جاتا تھا۔ آپ کو گھیر کر جیسا کہ وضعی روایتوں میں بیان کیا گیا ہے اس راستے پر چلنے کے لئے مجبور نہیں کیا گیا تھا آپ نے امیر المومنین کے پاس دمشق جانے کی راہ اختیار کی تھی ناسخ التواریخ کے غالی مؤلف بھی فرماتے ہیں کہ:۔

حسینؑ از طریق عذیب وقادسیہ راہ بگردانید وبجانب چپ روان شد (ص۲۲۲ ج۶ از کتاب دوم)	حسینؑ عذیب اور قادسیہ کے راستے سے پلٹ گئے اور بائیں جانب کو روانہ ہوئے۔

قادسیہ وعذیب سے پلٹ کر بائیں جانب روانہ ہونے کا راستہ وہی راستہ ہے جو قصر مقاتل و قریات طف ہو کر سیدھا دمشق کو جاتا تھا اور اسی طف کے قریات میں سے ایک قریہ العقر تھا جس کا ملحقہ میدان کربلا تھا۔

اجماع اُمّت کی اہمیت اور کوفیوں کے غدر کا احساس

مورخین کے بیان سے واضح ہے کہ کوفہ کے قریب پہونچ کر جب حضرت حسینؓ کو مدعیان وفاداری کے دعاوی کی حقیقت اچھی طرح واضح ہو گئی اور ان سینکڑوں خطوط بھیجنے والوں اور خروج پر آمادہ کرنے والوں کا پتہ بھی نہ چلا کہ کہاں ہیں اور کیا ہوئے تو آپ نے جان لیا کہ

امیر المومنین یزیدؒ کی بیعت پر تمام اُمّت متفق ہو چکی ہے اور جماعت کے فیصلے یا عمل کا استخفاف اب ممکن نہیں ہے آپ نے دمشق جانے کے لئے باگ موڑ دی۔ جیسا ابھی تفصیلاً بیان ہوا۔ اسی کے ساتھ مورخین نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ آپ نے تین شرطیں گورنر عراق کے افسروں کے سامنے پیش کی تھیں۔ پہلی یہ کہ مدینہ طیبہ واپس جانے دیا جائے۔ یہ منظور نہ ہو تو ممالکِ اسلامیہ کی سرحد پر مصروف جہاد ہوں یہ بھی منظور نہ ہو تو آپ کو شام (دمشق) بھیجدیا جائے، تاکہ اپنے ابن عم (یزید) کے ہاتھ میں ہاتھ دیدیں (حتی اضع یدی فی ید یزید بن معاویہ) طبری اور دوسری کتب تاریخ سے لے کر سیوطی کی ادنٰے تاریخ الخلفاء اور امام ابن حجر عسقلانی کی الاصابہ فی تمیز الصحابہ تک میں یہی شرطیں موجود ہیں، شیعہ مورخین و مُولفین خصوصاً ناسخ التواریخ (ص۲۳۷ ج ۶) وغیرہ نے بھی یہی شرطیں لکھی ہیں اور امیر عسکر عمرؔ بن سعد بن ابی وقاص رضؓ کا وہ مکتوب بھی درج کیا ہے جو کہا جاتا ہے کہ ابن زیاد کو ان شرائط کے متعلق تحریر کیا تھا جس میں آخری شرط کے یہ الفاظ لکھے تھے۔

اویاتی امیر المومنین یزید فیضع یدہٗ فی یدہ فیما بینہ وبینہ فیری رایہ فی ھذا لک رضی والامۃ صلاح۔

(ص۲۳۷ ناسخ التواریخ جلد ۶ از کتاب دوم مطبوعہ ایران)

یعنی اور وہ (حضرت حسینؓ) امیر المومنین یزیدؒ کے پاس چلے جائیں تاکہ اپنا ہاتھ ان کے ہاتھ میں دے دیں اور دیکھیں کہ وہ کیا فرماتے ہیں، اس میں صلاح امت بھی ہے اور تمہاری خوشنودی بھی۔

بہرحال حضرت حسینؓ کی طہارتِ طینت کی برکت تھی کہ آپ نے بالآخر اپنے موقف سے رجوع کرلیا۔

آج کل کے بعض مورخ یہ تیسری شرط ظاہر کرنے سے گریز کرتے ہیں لیکن یہ حضرات اتنا نہیں سوچتے کہ جہاں تک امیر المومنین یزیدؒ کی بیعت اور خلافت کے متفق علیہا ہونے اور حضرت حسینؓ کا اپنے موقف سے رجوع کرلینے کا مسئلہ ہے وہ پہلی ہی شرط سے پورا ہو جاتا ہے۔ حضرت حسینؓ کی یہ سعادتِ کبریٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خروج عن الجماعت کے شر سے محفوظ کیا اور بالآخر اس کی توفیق ارزانی فرمائی کہ جماعت کے

فیصلے کی حرمت برقرار رکھنے کا اعلان کردیں۔ اقدامِ خروج میں آپ نے غلطی کی تھی مگر آخر میں جب خروج پر ابھارنے والوں کی غداری عیاں ہوگئی تو آپ نے وہی کیا جو آپ کے برادرِ بزرگوار حضرت حسنؓ کے منشار کے مطابق، خیرخواہوں اور ہمدردوں کی رائے کے موافق اور کتاب وسنت کی روشنی میں واجب تھا۔

اب اگر بالفرض یہ ثابت کردیا جائے کہ حضرت حسینؓ نے اپنے موقف سے رجوع نہیں کیا تھا تب بھی دینی زاویۂ نگاہ سے امیر المومنین پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہوتا بلکہ اس سے پہلے جو واقعات گذر چکے ہیں ان کی روشنی میں ایسا اعتراض بھی حکومت پر عائد نہیں ہوتا جیسا کہ مثلاً حضرت علی المرتضیٰؓ پر۔ حضرت علیؓ کی بیعت مکمل نہیں ہوئی تھی۔ اُمت کی بہت بڑی اکثریت ان کی بیعت میں داخل نہیں تھی ان کے خلاف جو حضرات کھڑے ہوئے تھے وہ بڑی جمعیت رکھتے تھے۔ ان کے قبضے میں ملک تھے اور لاکھوں انسانوں کی حمایت انھیں حاصل تھی۔ پھر ایسا خلیفہ جسے جمہور کی حمایت حاصل نہ ہو، جب شرعاً اس کا مجاز ہے کہ اپنے مخالفوں کے خلاف تلوار اٹھائے تو امیر المومنین یزیدؒ جو متفق علیہ خلیفہ تھے۔ جن کا پرچم تمام عالمِ اسلام پر لہراتا تھا، جن کی بیعت میں سینکڑوں صحابہؓ کرام خصوصاً حضرت عبداللہ بن عباسؓ، نیز حضرت حسینؓ کے بھائی حضرت محمد بن علیؓ (ابن الحنفیہ) جیسی مقتدر ومقدس ہستیاں داخل تھیں وہ اس کے مجاز کیوں نہیں کہ اپنے خلاف خروج کرنے والوں کا مقابلہ کریں۔ حضرت علی المرتضیٰؓ کی تلوار اگر حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ زوجۂ مطہرہ حبیبۂ رسول اللہ صلوٰۃ اللہ علیہا کے خلاف بے نیام ہو سکتی ہے اور اس ہودج پر تیر برسائے جاسکتے ہیں جس میں تمام امت کی ماں تشریف فرما ہو اور ماں بھی وہ جو حجت دینیہ کے تحت میدان میں آئی ہو، تو حضرت حسینؓ کے خلاف تلوار کیوں نہیں اٹھائی جاسکتی۔ جن کی دعوت محض یہ تھی کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا نواسہ اور حضرت علیؓ کا فرزند ہونے کی حیثیت سے خلیفہ انھیں بنایا جائے۔ باوجود اس کے ان کے خلاف شروع سے متشددانہ کارروائی نہیں کی گئی حالانکہ اصولاً یہ مطالبہ ایسا تھا کہ نہ کتاب اللہ سے اس کی کوئی سند پیش کی جاسکتی ہے نہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ نہ تعامل خلفائے راشدین اور نہ عزائمِ آل البیت سے۔ یہی وجہ ہے کہ امت اس نظریہ پر مجتمع نہیں ہوئی بلکہ کسی درجہ میں بھی اسے قابلِ اعتنا نہیں سمجھا۔ حتیٰ کہ ان لوگوں نے بھی نہیں جو اپنی دانست

میں خلافت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبی وراثت سمجھتے تھے اور اس ورثہ کو ثابت کرنے کے لئے ازواج مطہرات رضی اور عصبات کی موجودگی میں ورثہ کا حقدار بیٹی کو بنا دیتے ہیں بلکہ داماد کو جو اسلامی قانونِ وراثت میں ہرگز درست نہیں اگرچہ یہ لوگ مختلف اقطاع اور مختلف زمانوں میں خود تخت حکومت پر متمکن رہے لیکن اپنے زعم باطل کے جائز "حقداروں" کو محروم رکھا۔

امیر المومنین یزید رح کو حضرت حسین رض کے حادثہ کا صدمہ وقلق تھا ابو مخنف وغیرہ شیعہ راویوں تک نے لکھا ہے کہ اس حادثہ کی خبر سنتے ہی رنج سے بے تاب ہو گئے اور آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ مگر ذاتی تعلقات کے علاوہ حکومت اور پبلک امور کا جہاں تک تعلق ہے ان کے خروج سے تھا اس پر البتہ نکتہ چینی کی جاتی تھی۔

کربلا کے المناک حادثہ کے کچھ عرصہ بعد جب حضرت محمد بن علی رض (ابن الحنفیہ) دمشق تشریف لے گئے تھے، امیر المومنین یزید رح نے پہلی ہی ملاقات میں حضرت حسین رض کے واقعہ پر ان الفاظ میں ان سے اظہار تاسف وتعزیت کیا تھا۔

پھر یزید رح نے ابن الحنفیہ رح کو ملاقات کے لئے بلایا اور اپنے پاس بٹھا کر ان سے کہا۔

حسین رض کی موت پر خدا مجھے اور تمہیں اجر عطا کرے۔ بخدا حسین رض کا نقصان جتنا بھاری تمہارے لئے تھا اتنا ہی میرے لئے بھی ہے اور ان کی موت سے جتنی اذیت تمہیں ہوئی ہے اتنی ہی مجھے بھی ہوئی ہے۔ اگر ان کا معاملہ میرے سپرد ہوتا اور میں دیکھتا کہ ان کی موت کو اپنی انگلیاں کاٹ کر اپنی آنکھیں دے کر ٹال سکتا ہوں تو بلا مبالغہ دونوں ان کے لئے قربان کر دیتا کہ انھوں نے میرے ساتھ بڑی زیادتی کی تھی اور خونی رشتہ کو ٹھکرا دیا تھا۔

تم کو ضرور معلوم ہوگا کہ ہم پبلک میں عیب جوئی حسین رض کی کرتے ہیں بخدا یہ اس لئے نہیں کہ عوام میں خاندان علی رض کو عزت وحرمت حاصل نہ ہو بلکہ اس سے ہم لوگوں کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حکومت وخلافت میں ہم کسی حریف کو برداشت نہیں کر سکتے۔"

یہ باتیں سنکر ابن الحنفیہ رح نے کہا۔

"خدا تمہارا بھلا کرے اور حسین رض پر رحم فرمائے اور ان کے گناہ کو معاف کرے۔

یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ ہمارا نقصان تمہارا نقصان اور ہماری محرومی تمہاری محرومی ہے۔ حسین رض اس بات کے مستحق نہیں کہ تم ان کو برا بھلا کہو اور برملا ان کی مذمت کرو۔ امیر المومنین! میں درخواست کرتا ہوں کہ حسین رض کے بارے میں ایسی بات نہ کہیے جو مجھے ناگوار ہو۔"

یزید رح نے جواب دیا۔

"میرے چچیرے بھائی! میں حسین رض کے متعلق کوئی ایسی بات نہ کہوں گا جس سے تمہارا دل دکھے۔"

(انساب الاشراف بلاذری ج ۳)

حضرت حسین رض کے ناکام اقدام خروج پر ہر فریق نے اپنے اپنے نقطہ نظر سے اظہار خیال کیا ہے۔ مخالفین نے نکتہ چینی کی۔ موافقین نے ان کو معصوم عن الخطاء ہی قرار دے دیا۔ لیکن اہل خاندان خاص کر ان کے صاحبزادے حضرت علی بن الحسین (زین العابدین) کا اس بارے میں جو رویہ رہا اس سے بخوبی ثابت ہے کہ ان کے اہل خاندان اس واقعہ کو ایسا سیاسی اقدام سمجھتے تھے جو مناسب نہ تھا۔ اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

کربلا، وجہ تسمیہ اور محل وقوع

عربی زبان کے یہ دو لفظ کربل وکربلۃ معنی وتلفظ کے اعتبار سے تقریباً یکساں ہیں کربلاء ان ہی سے مشتق بتایا جاتا ہے۔ یاقوت حموی کہتے ہیں:۔

کربلاء بالمد۔ فاما اشتقاقہ فالکربلۃ۔

کربلا جو مد کے ساتھ ہے اس کا اشتقاق لفظ کربلہ سے ہے۔

(ص۲۲۹ ج معجم البلدان)

غربل اور غربلۃ بھی اسی معنی میں مستعمل ہے جیسے غربل الحنطۃ منہ ۲ (المنجد طبع بیروت)، اسی مؤلف نے یہ عربی شعر جس میں غربلت اور کربلت اسی معنی میں آئے ہیں مثالاً پیش کیا ہے:۔

یحملن حمراء رسوبا للثقل   قد غربلت وکربلت من القصل

ضمناً ذکر ہو چکا ہے کہ ارض الطف کے قریہ عقر کی مضافاتی زمین کربلاء کہلاتی تھی جو روڑوں، کنکروں اور جھاڑ جھنکار سے صاف اور نرم وملائم زمین تھی نیز جو قریہ مذکور کی

فصل غلہ پچھوڑنے کے کام میں لائی جاتی تھی اور اسی بناء پر کربلاء کہلاتی تھی۔

ان تکون ھذہ الارض منقاۃ من الحصی والدغل فسمیت ذلک (ص۲۲۹ ج معجم البلدان)

اور یہ زمین روڑوں، کنکروں اور جھاڑ جھنکار سے صاف تھی اور اسی لئے یہ نام بھی پڑا اور غلہ پچھوڑنے کی زمین تھی)

فصل غلہ خاص کر فصل گندم کاٹ کر پچھوڑنے یعنی بھوسہ اڑا کر صاف کرنے کو کربل کہتے ہیں۔ کیچڑ میں بدقت اور آہستہ چل کر آنے کے لئے بھی مکرّ بلا کہا جاتا ہے۔ جیسے جاء یمشی مکربلاً (ص۶۸۷ المنجد طبع بیروت) یعنی وہ مٹی ملے ہوئے پانی (کیچڑ) میں بدقت چل کر آیا۔

کربلاء کی وجہ تسمیہ بتاتے ہوئے یاقوت حموی نے لکھا ہے:۔

ویقال کربلت الحنطۃ اذا ھززتھا ونقیتھا فی صفۃ الحنطۃ۔

گندم کی طرح سے جب غلہ پچھوڑتے ہیں تو کہتے ہیں کربلت الحنطۃ۔

(ص۲۲۹ ج معجم البلدان)

یہ زمین مزروعہ تو نہ تھی لیکن سرخ پھولوں والے پودے جن میں ترش پھل لگتے تھے بکثرت اُگتے تھے۔ جن کو الحماض کی قسم میں شمار کیا جاتا تھا جو عتبہ کی طرح ہوتے تھے اور پتے ان کے کاسنی جیسے۔

وکربل اسم نبت الحماض فیجوز ان یکون ھذا الصنف من النبت یکثر نبتہ ھناک فسمی بہ۔

اور کربل نام ہے الحماض کی طرح کے پودوں کا چونکہ یہ قسم یہاں بکثرت اگتی تھی اس لئے بھی اس کا ذکر (کربلاء کا) یہ نام پڑ گیا تھا۔

(ص۲۲۹ ایضاً)

غرضیکہ ارض کربلاء جو ارض الطف میں شامل تھی اپنی نوعیت کے اعتبار سے نرم و ملائم زمین تھی۔ قدماء کے اشعار اور تالیفات میں کربلاء کے بجائے طف ہی کا نام آتا ہے ابودہبل الجمحی[1] نے اس سانحہ میں ہاشمیوں کے مقتول ہوجانے کا مرثیہ لکھتے ہوئے ایک شعر میں کہا ہے۔

الا ان قتلی الطف من آل ھاشم — اذلت رقاب المسلمین فذلت

[1] اسی شعر کو قدرے تغیر لفظی سے سلیمان بن قتیبہ سے منسوب کرتے ہیں۔
ان قتیل الطف من آل ھاشم — اذل رقاباً من قریش فذلت

یوم کربلاء کو یوم الطف کہتے تھے اور مقتولین کے ذکر میں "قتیل و شہید الطف" مثلاً:۔

واما عون ومحمد الاصغر فقتلا مع ابن عمھما الحسین یوم الطف (ص۲ عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب)

لیکن عون و محمد الاصغر اپنے چچیرے بھائی حسینؑ کے ساتھ یوم الطف یعنی طف کی لڑائی میں قتل ہوئے۔

فرزندان علیؑ کی تعداد کا ذکر کرتے ہوئے کہ ان کے ۱۹ بیٹے تھے۔ جن میں سے چند ان کی حیات میں فوت ہوگئے تھے باقی ۱۳ میں سے چھ مقام طف میں حضرت حسینؑ کے ساتھ قتل ہوئے۔ صاحب عمدۃ الطالب کہتے ہیں کہ:۔

وقتل منھم بالطف ستۃ (ص۱۵)

اور ان میں سے چھ۔ طف کے مقام پر قتل ہوئے۔

عباس بن علیؑ کے ذکر میں کہتے ہیں۔

والعباس شھید الطف۔ (ص۴۵)

اور عباسؑ (مقام) طف کے شہید

علامہ ابن حزم محمد بن عبداللہ بن جعفرؑ کے تذکرہ میں لکھتے ہیں:۔

قتل بالطف

(مقام) طف پر قتل ہوئے۔

(ص۱۶ جمہرۃ الانساب)

علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں۔

کان مقتل الحسین بمکان من الطف یقال لہ کربلاء۔

یعنی حسینؑ کا مقتل الطف کے مقام پر ہوا جسے کربلا کہتے ہیں۔

(ص۱۸۹ ج البدایہ)

غرضیکہ فصل غلہ پچھوڑنے کا میدان (کربلاء) ارض طف میں واقع تھا اور ارض الطف وہ زمین تھی جو عراق کی زرخیز اور سرسبز و شاداب زمین سے متصل اور اس سے قدرے بلند تھی۔ صاحب معجم البلدان نے اس کی تشریح ان الفاظ میں کی ہے:۔

والطف ارض من ضاحیۃ الکوفۃ فی طریق البریۃ فیھا کان مقتل

اور الطف کوفہ کے پار کی وہ میدانی زمین ہے جو صحرائے (شام) کے راستہ پر واقع ہے

الحسین بن علی وھی ارض بادیہ من الریف فیھا عدۃ عیون ماء جاریۃ منھا الصید والقطقطانۃ والرھیمیۃ وعین جمل وذراتھا (ص۱۵ ج ۶ معجم) البلدان یاقوت حموی مطبوعہ لیپزک ۱۸۶۷ء)

جہاں حسین رضؓ بن علی رضؓ مقتول ہوئے تھے۔ یہ زمین ریف یعنی سرسبز وشاداب وزرخیز اراضی کی صحرائی زمین ہے جس میں متعدد چشمے بہتے پانی کے ہیں جن میں الصید والقطقطانہ دہیمیہ اور چشمہ جمل اور ان کے مثل دوسرے چشمے ہیں۔

اس ارض الطف کے ساتھ ساتھ ایران کے شہنشاہ شاپور نے ایک طویل وعریض خندق اس غرض سے کھدوائی تھی کہ اہل عرب ان چشموں کو اپنے کام میں نہ لا سکیں (معجم البلدان) ارض الطف میں بہتے پانی کے چشمے ایسے بھی تھے کہ مثلاً مچھلیاں بکثرت ہونے کی وجہ سے ایک چشمے کا نام ہی عین الصید پڑ گیا تھا کیونکہ لوگ وہاں مچھلیاں شکار کرتے تھے۔ "وسمیت عین الصید بکثرۃ الملک الذی کان بھا (ص۱۵ معجم البلدان)
اسی ارض الطف میں وہ سب قریات شامل تھے جن کا ذکر ان روایتوں میں بار بار آتا ہے کہ حسینی قافلہ قرب کوفہ سے براہ قادسیہ والعذیب لوٹتے اور ملک شام کے راستے پر چلتے ہوئے ان سے گزرتا گیا تھا، ارض الطف کو "طف الفرات ای شاطی" کہتے تھے (ص۱۵ معجم البلدان) یعنی دریائے فرات کی ساحلی زمین۔ اور یہ زمین اپنی نوعیت میں نرم وملائم زمین تھی۔

ان تکون ارض ھذہ الموضع (کربلاء) رخوۃ فسمیت ذلک۔ (صفحہ ۲۲۹ ج ۷ معجم البلدان)

اس مقام (کربلا) کی زمین چونکہ ملائم تھی، اس لئے اس نام سے کربلاء موسوم ہوئی۔

مندرجہ بالا تصریحات سے بخوبی واضح ہے کہ کربلا کی زمین غلہ بچھوڑنے کے کام آتی تھی، کنکروں روڑوں اور جھاڑ جھنکار سے صاف تھی اور اسی بناء پر کربلۃ کہلاتی تھی اور اسی سے کربلاء مشتق ہے اسی کے ساتھ عمدۃ الطالب کے شیعی مولف نے اس حقیقت کا بھی صاف الفاظ میں اظہار کر دیا ہے کہ حضرت حسین رضؓ اور ان کے قافلے کو گھیر گھار کر اس جگہ نہیں پہنچایا گیا تھا بلکہ وہ اس مقام پر یوں پہنچے تھے کہ راستہ میں جب ان کو یہ اطلاع مل گئی کہ اب کوفہ میں ان کا کوئی ناصر ومعین و مددگار نہیں رہا مسلم اور

ان کے مددگار ہانی بن عروہ بھی بغاوت پھیلانے کے جرم ماخوذ ہو کر قتل ہو چکے انھوں نے اپنے موقف سے رجوع کر کے یہ طے کر لیا کہ کوفہ کے بجائے سیدھے دمشق میں خلیفہ وقت یزید بن معاویہ رضؓ کے پاس چلے جائیں۔ (وعدل نحو الشام قاصداً الی یزید بن معاویۃ (ص۱۷۹ عمدۃ الطالب) یعنی وہ (حسین رضؓ) ملک شام کی طرف مڑ گئے یزید بن معاویہ رضؓ کے پاس جانے کے لئے۔ قادسیہ وکوفہ سے شام (دمشق) جانے کا راستہ کربلا ہو کر جاتا تھا یہی شیعہ مولف لکھتے ہیں کہ جب انھیں کوفہ جانے اور گورنر کوفہ عبید اللہ بن زیاد کا حکم ماننے کو کہا گیا تو انھوں نے منع کیا اور یزید رضؓ کے پاس چلے جانا پسند کیا فامتنع واختار المضی نحو یزید (ص۱۷۹ ایضاً) اب دیکھئے اسی بات کو ابو مخنف نے کس انداز میں پیش کیا ہے اور کیسی مسخ صورت واقع کی بیان کی ہے۔ فرماتے ہیں:-

جب حسین رضؓ اس مقام پر پہنچے تو ان کا گھوڑا یہاں رک کر کھڑا ہو گیا۔ وہ اس پر سے اتر پڑے اور دوسرے گھوڑے پر چڑھے مگر اس نے بھی ایک قدم بھی نہ اٹھایا پھر تیسرے پر چڑھے وہ بھی نہ چلا، اسی طرح برابر سات گھوڑوں پر چڑھتے اترتے رہے مگر ان سب کا یہی حال ہوا کوئی بھی آگے کو نہ چلا۔ یہ حال دیکھ کر آپ نے لوگوں سے پوچھا کہ اس مقام کا کیا نام ہے، تو لوگوں نے کہا غاضریہ پوچھا اس نام کے علاوہ بھی کوئی اور نام ہے کہا نینوا پوچھا اس نام کے علاوہ بھی کوئی اور نام ہے کہا شاطی الفرات پوچھا اس نام کے علاوہ کوئی اور نام ہے کہا کربلا۔ یہ سن کر آپ نے آہ سرد کھینچی اور فرمایا کہ زمین کرب وبلاء اب یہیں اتر پڑو کیونکہ یہی مقام ہمارے سفر کا منتہا ہے یہیں ہمارا خون بہے گا یہیں ہماری عزت وحرمت لٹے گی اور واللہ یہیں ہمارے مرد قتل کئے جائیں گے۔ یہیں ہمارے بچے ذبح کئے جائیں گے اور واللہ یہیں ہماری قبروں کی زیارت کو لوگ آئیں گے۔ اور میرے نانا رسول اللہ نے اسی تربت کا وعدہ کیا تھا۔ آپ کا قول غلط نہیں ہو سکتا (مقتل ابی مخنف ص۴۹)
کربلا سے کرب وبلا گھڑ کر غیب دانی کی صفت جو سوائے خدائے بزرگ وبرتر علام الغیوب کے کسی نبی ورسول کو بھی عطا نہیں ہوئی کس طرح حضرت حسین رضؓ سے

منسوب کی گئی ہے۔

فرات کا کنارہ

یہ سارا علاقہ (الطف) ساحلی علاقہ تھا، اس کے متعلق یہ بھی کہا گیا ہے کہ عہد ماقبل تاریخ میں تہہ آب رہا تھا۔ پھر وردہ ہور دلدل میں تبدیل ہوکر خشک ہوتا گیا تھا۔ جس کے بعد تین مشہور شہر اس نواح میں اجڑے اور بسے جن کے تذکرے اوراق تاریخ پر ثبت ہیں۔ یعنی کلدانیوں کا بابل، بنوکندہ کے الحارث کا انبار اور لخم کا الحیرہ اس کے نواح میں یہ قریہ عقر تھا جس کی مضافاتی زمین کربلآء تھی۔

"عرب ومشرق بعید" کے لائق مؤلف[1] نے مسٹر ہرتھ (HIRTH) ایک محقق کے حوالہ سے عہد عتیق کے ایک بندرگاہ (HI-TIAO) کا ذکر کیا ہے جو اس نواح میں تھا ایرانیوں اور چینیوں کی تجارتی کشتیاں وہاں لنگر انداز ہوتی تھیں ایرانیوں ہی کے ذریعہ چینیوں کو ابتداءً عربوں سے سابقہ پڑا تھا اہل ایران عربوں کو "تاجر" کہتے تھے اسی لفظ کو بگاڑ کر چینی ان کو "تاجی" کہنے لگے شاید اس بندرگاہ کے نام میں بھی (CHI-وتی) شامل تو عہد عتیق کے بعد جب الحیرہ آباد تھا۔ ہندیوں کی تجارتی کشتیوں کے بندرگاہ حیرہ پر آنے کا ذکر حمزہ اصفہانی نے بھی کیا ہے۔ یہ ثابت ہے کہ انبار اور حیرہ دریائے فرات ہی کے قرب میں تھے۔ عرب جغرافیہ نویس اور مورخ المسعودی نے دریائے فرات کے رخ تبدیل کرنے کا ذکر کرتے ہوئے فرات کا کنارہ بتایا ہے کہ اس کی ایک قدیم شاخ جو بعد میں خشک ہوکر العتیق کہلانے لگی تھی۔ قادسیہ[2] کی مشہور جنگ حضرت سعد بن ابی وقاص کی سرکردگی میں ایرانیوں کے خلاف لڑی گئی تھی۔ سانحہ کربلآء کے زمانہ میں دریائے فرات اسی نواح سے جہاں حیرہ آباد تھا اور اسی کے قرب میں کوفہ کا علاقہ اور کربلآء کا میدان بھی تھا کوسوں دور ہٹ گیا تھا کوفہ سے پچیس میل اور کربلا سے بیس میل کے فاصلہ پر

---

[1] الیس اے حزین پروفیسر فواد یونیورسٹی قاہرہ کی یہ تالیف بزبان انگریزی ۱۹۴۲ء میں شائع ہوئی

[2] جنگ قادسیہ بعہد فاروقی اواخر ۱۶ھ میں ہوئی تھی ایرانیوں کی افواج کثیرہ کی خبر سنکر حضرت فاروق اعظمؓ نے بذات خود محاذ جنگ پر تشریف لیجانے کا ارادہ ظاہر کیا تو حضرت عباسؓ بن عبد المطلب اور بعض اکابر صحابہ نے مستقر خلافت چھوڑ کر جانے کو

تھا اور اب بھی ہے۔

پانی کی افراط

یاقوت حموی کی کتاب معجم البلدان کے مندرجہ بالا اقتباس میں بیان کیا گیا ہے کہ کربلا کی زمین سرسبز و شاداب زمین تھی اس میں متعدد چشمے بہتے پانی کے تھے جن میں سے چار چشموں کے ناموں کی صراحت مؤلف نے بھی کی ہے۔ اس کے علاوہ ذرا سی زمین کھودنے سے "آب زلال وگوارا" یہاں بآسانی حاصل ہو سکتا تھا۔ ناسخ التواریخ کی ایک وضعی روایت سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے جہاں حضرت حسینؓ کا زمین کھود کر "آب زلال" نکال لینا بیان کیا گیا ہے۔ ناسخ التواریخ کے غالی مورخ فرماتے ہیں:-

آنحضرت تبرے برگرفت واز بیرون خیمۂ زنان نوزدہ گام بجانب قبلہ برفت انگاہ زمین را باتبر لختے حفر کرد ناگاہ آب زلال وگوارا بجہید اصحاب آنحضرت بنوشیدو مشکہا پُر آب کردند۔ (ص ۲۲۵ ج ۶ از کتاب دوم مطبوعہ ایران ۱۳۰۹ھ)

آنحضرت (یعنی حسینؓ) نے ایک کدال اٹھائی اور عورتوں کے خیمہ سے باہر کی طرف ۱۹ قدم قبلہ کی جانب چل کر گئے اور زمین کو تھوڑا سا کھودا کہ ناگاہ آب زلال وگوارا زور سے نکل پڑا آپ کے ساتھیوں نے نوش کیا اور مشکیں بھی پانی سے بھر لیں۔

ان ہی غالی مؤلفین کی روایتوں میں پانی کے موجود ہونے اور بافراط ہونے کا ذکر آیا ہے

منع کیا حضرت علیؓ نے جانے کی رائے دی تھی لیکن آپ نے پہلا مشورہ قبول کیا اور حضرت علیؓ کو جیوش اسلامی کی قیادت پیش کی "وعرض علی علی اشخاص نا باہ" یعنی علی کو محاذ جنگ پر اسلامی افواج کی سپہ سالاری پیش کی اس پر انھوں نے انکار کیا اس پر حضرت فاروق اعظمؓ نے یہ ارشاد فرما کر حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو مامور کیا کہ وہ مرد شجاع اور بڑے تیرانداز ہیں "انہ رجل شجاع صرام" (ص ۲۶۴ فتوح البلدان بلاذری) ان ہی کی قیادت میں ایران فتح ہوا۔ ان کے منجملہ آٹھ بیٹوں کے چھ سے نسل باقی رہی جن میں عمر بن سعدؓ بن ابی وقاص بھی ہیں ان کے فرزند ابوبکر بن عمر بن سعدؓ راوی حدیث اور صاحب نسل ہیں الغرض حضرت علیؓ کے ساتھ عقیدت میں اس بات کو بھی دخل ہے کہ انھوں نے ایران پر حملہ کرنے سے انکار کردیا تھا۔ سیدنا عمر سیدنا خالد سیدنا سعید بن العاص سیدنا سعدؓ اور ان کے فرزند عمر بن سعدؓ سے عداوت کا سبب بھی فتوحات ایران ہیں۔

مثلاً امالی صدوق کی ایک روایت میں شب عاشورہ میں علی اکبر کا اپنے ساتھیوں کے ساتھ اتنا پانی بھر لانا مذکور ہے جس سے کپڑے بھی دھولئے گئے اور غسل بھی کئے گئے۔ آدمیوں اور جانوروں کے پینے اور دیگر ضروریات میں کام آیا۔ خود طبری نے ابومخنف کی یہ روایت بھی درج کی ہے کہ اسی دسویں محرم کو مصنوعی لڑائی شروع کرنے سے پہلے حضرت حسینؓ نے حکم دیا کہ بڑا خیمہ نصب کیا جائے۔ جب خیمہ نصب کر دیا گیا تو آپ نے یہ حکم دیا کہ بڑے کاسہ میں مشک گھولا جائے (ثم امر بمسك فيمثت في جفنة عظيمة)

جب مشک بڑے کاسے میں گھولا جا چکا تو روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت حسینؓ بڑے خیمہ کے اندر نورہ لگانے کے لئے تشریف لے گئے۔ (دخل الحسين ذلك الفسطاط فتطلى بالنورة) اور صرف حضرت حسینؓ ہی نہیں بلکہ آپ کے سب ساتھیوں نے بھی ایسا ہی کیا، چنانچہ کہتے ہیں۔ (دخلنا فاطلینا) یعنی ہم سب خیمہ میں گئے اور نورہ لگایا۔ اول تو یہ "نورہ"ے لگانے کی رسم نہ عرب میں تھی اور نہ کسی عرب مجاہد و غازی کے حالات میں کہیں اس کا ذکر ملتا ہے۔ یہ تو خالص عجمی دستور تھا، ایرانی پہلوان تیغ آزمائی یا زور آزمائی سے پہلے اپنے جسم کے بالوں کو "نورہ" مل کر اسی طرح صاف کر لیتے تھے جیسے آج بال صفا پوڈر سے صاف کر لیتے ہیں۔ نورہ عام طور سے ہرتال اور چونہ قلعی کو باریک پیس کر اور پانی میں گھول کر تیار کیا جاتا تھا۔ بدن پر مل کر اتنی دیر لگا رہنے دیتے کہ بال جھڑ جائیں پھر غسل کر لیتے۔ پس حضرت حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کا نورہ لگانا مان بھی لیا جائے تو ظاہر ہے کہ مشک یہ بڑے کاسے میں گھولنا یا نورہ کا گھول کر تیار کرنا بغیر پانی کے کیونکر ممکن ہو سکتا تھا۔ ایک اور وضعی روایت میں جو طبری نے ابومخنف ہی کے حوالہ سے نقل کی ہے یہ بیان ہے کہ عاشورہ ہی کے دن جب زینب ہمشیرہ حسینؓ کو غش آ گیا تھا تو ان کے منہ پر پانی کے چھینٹے مار کر ہوش میں لایا گیا تھا۔ منہ پر چھینٹے مارنے کے لئے تو پانی موجود بتاتے ہیں مگر پیاسے بچوں کے منہ میں چند بوندیں ٹپکانے کے لئے قحط آب کی فرضی داستانیں یہ راوی بڑے آب و تاب سے بیان بھی کرتے جاتے ہیں۔

ے یعنی چونہ قلعی۔ چیزیست کہ برائے دور کردن مو از بدن بکار برند و آن آہک و زرنیخ بہم سائیدہ است (غیاث اللغات)

سچ ہے دروغ گورا حافظہ نباشد۔ لیکن جب کربلا کی صحیح وجہ تسمیہ اس کے محل وقوع اور حسینی قافلہ کے موقع پر دس محرم سے پہلے نہ پہنچ سکنے کے مندرجہ بالا ناقابل تردید واقعات و حالات کو پیش نظر رکھا جائے تو قحط آب کی یہ سب فرضی داستانیں بے حقیقت اور وضعی ثابت ہوتی ہیں۔

واقعات کربلا اور ان کے راوی

یہ حقیقت ہے کہ کربلا کے جو واقعات عام طور سے مشہور ہیں اور کتابوں میں درج ہیں ان کی حیثیت افسانہ سے زیادہ نہیں، اصلیت کیا ہے اس کا سراغ لگانا اور سچ کو جھوٹ سے تمیز کرنا بڑا دشوار ہے۔ راویوں میں کسی کا اپنا کوئی چشم دید واقعہ مطلق نہیں سب کے سماعی ہیں۔ قدیم ترین راوی ابومخنف د یحییٰ دوسری صدی ہجری کے اس قماش کے راوی ہیں کہ ائمہ رجال نے انہیں "شیعی محترق" یعنی کٹر شیعہ اور دروغ گو "کذاب" کہا ہے۔ خانہ جنگیوں پر ان کی متعدد تالیفات ہیں۔ جنگ جمل و صفین و نہروان کے علاوہ کربلا پر "مقتل ابومخنف" ان کا مشہور ہے جو مبالغہ آرائیوں اور داستان سرائیوں سے مملو ہے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ بیشتر روایتیں خود انہی کی مخترعات ہیں ان کے سارے ذخیرے کو ابن جریر طبری نے "قال ابومخنف" کی تکرار کے ساتھ اپنی کتاب میں شامل کر لیا اور طبری سے دوسرے مورخین نے نقل کیا اس طرح ان موضوعات کو اعتبار کا درجہ حاصل ہوتا گیا۔ کربلا کے حادثے کے زمانہ میں ابومخنف کا تو اس دنیا میں وجود ہی نہ تھا۔ ان کا سنہ وفات امام ذہبی نے ۱۷۰ھ کے لگ بھگ بتایا ہے (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۶۱) اور بعض لوگوں نے ۱۵۷ھ یعنی حادثہ کربلا کے تقریباً سو سال بعد اب ذرا یہ بھی دیکھئے کہ وہ کس ذہنیت کے راوی تھے۔ چنانچہ ائمہ رجال کے اقوال ان کے بارے میں سنتے چلئے۔

صاحب کشف الاحوال فی نقد الرجال (ص ۹۲) کہتے ہیں "لوط بن یحییٰ، ابومخنف کذاب" اسی طرح صاحب تذکرۃ الموضوعات نام لکھ کر "کذاب" کے لفظ سے ان کا تعارف کراتے ہیں (ص ۲۸۶) سیوطی نے اللآلی المصنوعہ فی الاحادیث الموضوعہ (ص ۳۸۶) میں ابومخنف اور اس کے ہم داستان الکلبی دونوں کے بارے میں لکھا ہے "لوط والکلبی "کذابان"، امام ذہبی میزان الاعتدال میں ابومخنف کے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ:

لا یوثق بہ
ترکہ ابوحاتم وغیرہ

کسی اعتبار کے لائق نہیں ابوحاتم وغیرہ
ائمہ جرح وتعدیل نے اسے متروک
قرار دیا ہے۔

قال الدارقطنی ضعیف قال ابن
معین لیس بثقۃ قال مرۃ
لیس بشیئ قال ابن عدی شیعی
محترق صاحب اخبارھم۔

دارقطنی نے کہا کہ وہ ضعیف ہے ابن معین
کہتے ہیں کہ وہ اعتماد کے لائق نہیں مرۃ فرماتے
ہیں کہ وہ تو کوئی چیز ہی نہیں۔ ابن عدی نے
کہا ہے کہ وہ تو کٹر شیعہ ہے اور شیعوں ہی
کی خبریں روایت کرتا ہے۔

غرضیکہ سب نے ان کو ناقابلِ اعتماد، دروغ گو بتایا ہے حتیٰ کہ تاج العروس شرح القاموس (جزء ۶ فصل د مخف) میں ابو مخنف کا "اخباری شیعی تالف متروک" کہہ کر تعارف کرایا ہے۔

اسی طرح صاحب معجم الادباء نے (ج ۱۷) ان کے بارے میں ائمہ رجال کا یہ قول نقل کیا ہے "ھو کوفی ولیس حدیثہ بشئی" یعنی وہ کوفی تھا اور اس کی روایتیں کسی کام کی نہیں۔ اب ابو مخنف کے ہم داستانوں کا بھی حال سنئے۔ ایک تو محمد بن السائب الکلبی ہے اور دوسرا اس کا بیٹا ہشام۔

محمد بن السائب الکلبی ابو النضر الکوفی کے بارے میں ابن حبان فرماتے ہیں کہ:۔

کان الکلبی سبائیا من اولئک
الذین یقولون ان علیا لم یمت وانہ
راجع الی الدنیا ویملؤھا عدلا
کما ملئت جورا۔
(میزان الاعتدال ج ۳ ص ...)

یہ الکلبی سبائی تھا اور ان لوگوں میں سے
تھا جو کہتے ہیں کہ علی کو موت نہیں آئی وہ
لوٹ کر دنیا میں آئیں گے اور اس کو عدل
سے اسی طرح بھر دیں گے، جس طرح ظلم
سے بھری ہوئی ہے۔

دیگر ائمہ رجال کے چند اقوال اس سبائی راوی کے بارے میں اور بھی سنئے:۔

قال ابن معین الکلبی لیس بثقۃ
وقال الجوزجانی وغیرہ کذاب

یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ الکلبی لائق اعتماد
نہیں جوزجانی وغیرہ ائمہ رجال کہتے ہیں:۔

قال الدارقطنی وجماعۃ متروک
قال الاعمش۔ اتق ھذہ السبائیۃ فانی
ادرکت الناس یسمونھم الکذابین

وہ کذاب تھا۔ دارقطنی اور ائمہ رجال کی ایک
جماعت نے اس کو متروک قرار دیا ہے۔
اعمش نے کہا ہے کہ اس سبائی (الکلبی)
سے بچتے رہو، کیونکہ میں نے ایسے اشخاص
کو پایا وہ ان کو کذابین سے موسوم کرتے تھے۔

اس الکلبی کا بیٹا ہشام بھی راوی ہے اور کوئی ڈیڑھ سو رسائل وکتابوں کا مؤلف بھی ہے، اس کا پورا نام ہے "ہشام بن محمد بن السائب الکلبی ابو المنذر" ائمہ رجال اس کے بارے میں کہتے ہیں:۔

قال الدارقطنی وغیرہ متروک
قال ابن عساکر رافضی لیس
بثقۃ (میزان الاعتدال ج ۳ ص ۲۵۶)

دارقطنی وغیرہ (ائمہ رجال نے) اس کو
متروک قرار دیا ہے۔ ابن عساکر نے کہا ہے
کہ وہ رافضی ناقابلِ اعتماد ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے بھی ان سب راویوں کو کذاب بتایا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

ابو مخنف وھشام بن محمد بن
السائب وامثالھما من المعروفین
بالکذب عند اھل العلم
(منہاج السنۃ ج ۲ ص ۱۳)

ابو مخنف اور ہشام بن محمد بن السائب اور
ان جیسے راویوں کا دروغ گو اور جھوٹا ہونا
تو اہلِ علم کے یہاں مشہور ومعروف بات ہے

الغرض یہ ہیں وہ راوی اور اسی وضع وقماش کے چند اور جن کی وضعی روایتوں سے داستان کربلا مرتب ہوئی۔ عقیدت وتوہم پرستی سے ذرا ہٹ کر دیکھئے تو ان کا سرمایہ زور بقول شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کچھ کذب وافترا ہے کچھ کذب حق نما۔ فرماتے ہیں:۔

والذین نقلوا مصرع الحسین
زادوا اشیاء من الکذب کما
زادوا فی قتل عثمان وکما زادوا فیما
یراد تعظیمہ من الحوادث وکما
زادوا فی المغازی والفتوحات

اور جن لوگوں نے حسین کا حزینہ نقل کیا ہے
انھوں نے بہت سی جھوٹی باتیں بڑھا دی ہیں
یا جیسے کہ ان حوادث کے بیان میں جن سے
حسین کی تعظیم مقصود ہے اور جیسے کہ مغازی
اور فتوحات وغیرہ کے بیان میں جھوٹے قصے

وغير ذلك والمصنفون في اخبار قتل الحسين منهم من هو من اهل العلم كالبغوي و ابن ابي الدنيا وغيرهما مع ذلك فيما يروونه آثار منقطعة وامور باطلة واما يرويه المصنف في المصرع بلا اسناد فالكذب فيه كثير۔

بڑھا دیئے ہیں اور قتل حسین کی خبریں بیان کرنے والے مصنفوں میں جو اہل علم ہیں مثلاً بغوی اور ابن ابی الدنیا انھوں نے بھی باوجود اپنے علم وفضل کے جو کچھ اس بارے میں روایت کیا ہے اس میں منقطع روایات اور باطل امور ہیں لیکن جو مصنف بغیر سند کے اس حزینہ کے بارے میں لکھتے ہیں ان میں تو بہت ہی زیادہ کذب ہے۔

(منہاج السنہ ج ۲ ص ۲۴۸)

یہاں داستان کربلا کی وضعی و من گھڑت روایتوں اور امور باطلہ کی تفصیل کا موقعہ نہیں زمانہ حال کے ایک شیعہ مؤلف[1] فرماتے ہیں کہ:۔

"صدہا باتیں طبع زاد تراشی گئیں۔ واقعات کی تدوین عرصہ دراز کے بعد ہوئی رفتہ رفتہ اختلافات کی اس قدر کثرت ہوگئی کہ سچ کو جھوٹ سے جھوٹ کو سچ سے علیحدہ کرنا مشکل ہوگیا۔ ابو مخنف لوط بن یحییٰ ازدی، کربلا میں خود موجود نہ تھے اس لئے یہ سب واقعات انھوں نے بھی سماعی لکھے ہیں۔ لہٰذا مقتل ابو مخنف پر بھی پورا وثوق نہیں پھر لطف یہ کہ مقتل ابو مخنف کے متعدد نسخے پائے جاتے ہیں جو ایک دوسرے سے مختلف البیان ہیں اور ان سے صاف پایا جاتا ہے کہ خود ابو مخنف واقعات کے جامع نہیں بلکہ کسی اور ہی شخص نے ان کے بیان کردہ سماعی واقعات کو قلمبند کر دیا ہے۔"

"مختصر یہ کہ شہادت امام حسینؑ کے متعلق تمام واقعات ابتدا سے انتہا تک اس قدر اختلافات سے پر ہیں کہ اگر ان کو فرداً فرداً بیان کیا جائے تو ایک ضخیم دفتر فراہم ہو جائیں۔ اکثر واقعات مثلاً اہل بیت پر تین شبانہ روز پانی کا بند رہنا، فوج مخالف کا لاکھوں کی تعداد میں ہونا، شمر کا سینۂ مطہر پر بیٹھ کر

[1] جناب شاکر حسین صاحب امروہوی مؤلف مجاہد اعظم

سر جدا کرنا، آپ کی لاش مقدس سے کپڑوں تک کا اتار لینا، نعش مطہر کا لگد کوب سم اسپان کیا جانا، سرادقات اہلبیت کی غارت گری، نبی زادیوں کی چادریں تک چھین لینا وغیرہ وغیرہ۔ نہایت مشہور اور زبان زد خاص و عام ہیں حالانکہ ان میں سے بعض سرے سے غلط، بعض مشکوک، بعض ضعیف بعض مبالغہ آمیز اور بعض من گھڑت ہیں۔" (مجاہد اعظم ص ۱۶۷)

کتب تاریخ میں ان وضعی روایتوں اور من گھڑت واقعات کا تفصیل اور شرح و بسط سے بیان ہونا جنھیں شیعہ مؤلف خود بھی "غلط ومشکوک وضعیف ومبالغہ آمیز اور من گھڑت" کہتے ہیں، علامہ ابن جریر طبری کی توجہ فرمائی کا نتیجہ ہے، کیونکہ سب سے پہلے انھوں نے ہی ابو مخنف وغیرہ کے ذخیرہ کو اپنی کتاب میں شامل کر دیا اور ان سے بعد کے آنے والے مورخین نے آنکھ بند کر کے نقل در نقل کیا۔ اب کچھ ان ابن جریر طبری کا حال بھی سن لیجئے جنھیں روایت پرست خوش فہموں نے اہل سنت کا امام قرار دے لیا ہے۔

ابن جریر طبری

ابن جریر جن کا پورا نام و سلسلہ نسب یہ ہے، ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب ۲۲۴ھ میں طبرستان کے شہر آمل میں پیدا ہوئے اپنے مولد و منشاء آمل کی نسبت سے آملی بھی کہلائے اور طبرستان کی نسبت سے طبری بھی۔ آخر الذکر نسبت سے زیادہ مشہور ہوئے۔ علم وفضل میں یگانہ روزگار علامہ وقت تھے۔ نسباً ایک عالی رافضی خاندان کے فرد تھے۔ ان کا حقیقی بھانجہ محمد بن عباس خوارزمی[1] جو بلند پایہ ادیب اور ہجو گو شاعر تھا، اپنے ماموؤں کی طرح عالی رافضی تھا۔ باپ اس کا علاقہ خیوا کے مقام خوارزم کا تھا اور ماں مورخ طبری کی یعنی ابن جریر کے گھرانے کی تھی وہ اپنے ننھیال میں پلا بڑھا، آخر میں آل بویہ جیسے غالی شیعہ امراء کی سرپرستی میں رہا وہ اپنے ماموؤں کے رافضی مسلک ہونے کا اظہار ان اشعار میں فخریہ طور سے کرتا ہے ؎

بآمل مولدی وبنو جریر — فاخوالی ویحکی المرء خاله

آمل میرا مولد ہے اور جریر کے بیٹے — میرے ماموں ہیں اور ہر شخص اپنے ماموؤں کے مشابہ ہوتا ہے۔

[1] ابن اخت الطبري توفي سنة ۳۹۳ھ (ہدایۃ العارفین اسماء المؤلفین) کان الخوارزمی رافضیاً غالیاً في مرتبة الكفر عالياً (الوافي للصفدي)

فهانا رافضيٌّ عن تراثٍ　　وغيري رافضيٌّ عن كلالة

تو میں تو ہیں وراثۃً رافضی ہوں　　اور میرے سوائے جو رافضی ہے وہ دور کے لگاؤ سے ہے۔

(معجم البلدان یاقوت حموی)

ابن جریر نے شیعہ اور سنّی علماء سے استفادہ کیا تھا، طلب احادیث میں طویل سفر بھی کئے تھے۔ قرآن مجید کی بڑی ضخیم تفسیر لکھی اور تاریخ میں تاریخ الامم والملوک۔ خم غدیر جیسے من گھڑت قصہ کے متعلق دو ضخیم جلدیں مرتب کر ڈالیں اور اسی طرح حدیث الطیر کے سلسلہ کی ایک کتاب مرتب کی۔ وضو میں جواز مسح قدمین کے قائل تھے اور ان کا دھونا واجب نہ جانتے تھے۔ (البدایہ ج ۱۱ ص ۱۴۸) آیت تطہیر کے لفظ اہل بیت کی غلط تاویل میں شیعہ راویوں کی موضوع حدیثیں پیش کر ڈالی ہیں

امام ذہبی ابن جریر طبری کے بارے میں یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ ان میں تشیع بھی تھا۔ اور حضرت علیؓ اور ان کی اولاد سے موالاۃ بھی مگر مضر نہیں۔ (میزان الاعتدال ج ۳ ص ۳۰) جن ائمہ رجال اور محدثین نے ابن جریر کو شیعہ اور رافضی کہا ہے ذہبی لکھتے ہیں کہ یہ ان کا ظن کاذب ہے ابن جریر تو کبار ائمہ اسلام میں سے تھے۔ وہ دوسرے محمد بن جریر بن رستم ابو جعفر طبری تھے جو رافضی تھے مگر ان کی تالیف سے تاریخ میں کوئی کتاب نہیں چنانچہ ابن جریر کے تذکرے کے بعد ان کا بھی ذکر کیا ہے لیکن یہ ان کی سخت غلطی ہے۔ حافظ احمد بن علی السلیمانی جیسے بلند پایہ محدث کا یہ قول ابن جریر طبری کے بارے میں صحیح ہے کہ

كان يضع للروافض یعنے ابن جریر طبری رافضیوں کے لئے حدیثیں گھڑا کرتے تھے۔

ابھی جن دو ضخیم کتابوں کا ذکر ہو چکا ہے کہ خم غدیر جیسے وضعی قصہ پر انھوں نے کتنی حدیثیں جمع کیں، یہ سب موضوعات ہیں اور شیعی پروپیگنڈے (وصایت) کی خاص الخاص، آخر ان وضعی احادیث کا دو جلدوں میں جمع کرنا کس بات کا ثبوت ہے۔ یہ کہنا کہ "فيه تشيع وموالاة لا تضر" یعنی ان میں شیعیت بھی تھی اور موالاۃ بھی مگر مضر نہیں بے معنی سی بات ہے۔ ان کی تاریخ کی ورق گردانی کیجئے، حضرت علیؓ، ان کے دو صاحبزادوں اور شیعوں کے اماموں کے ناموں کے ساتھ شیعہ شعار کے مطابق علیہ السلام یا صلوات اللہ علیہ وغیرہ الفاظ اور عبارتیں ملیں گی۔ برخلاف اس کے بعض صحابہ اور خلفائے اسلام کے ناموں پر "لعن" تک تحریر ہے ان کی تاریخ کی جلد ۱۳ کے سرورق پر یہ عبارت ہے "من تاريخ الصحابة والتابعين تصنيف ابی جعفر محمد بن جریر بن یزید الطبری" اس کے ص ۲۱۴ سطر ۲۵ پر "فی وسط خلافة

معاوية لعنة الله" لکھ مارا ہے اور ص ۲۹ سطر ۱۶ پر "فی خلافة یزید بن معاوية لعنهما الله" درج کیا ہے۔ برٹش میوزیم لندن میں عربی مخطوطات کے منتظم C. Rieu نے اپنی مرتبہ فہرست میں ابن جریر طبری کے اس مخطوطہ پر ریمارک دیتے ہوئے کہا ہے کہ کٹر سنّی ابن جریر کی تالیف کو اسی لئے بنظر استحسان نہیں دیکھتے کہ مورخ مذکور کا میلان اور رجحان شیعیت سے اس قدر ہے کہ شیعہ شعار کے مطابق وہ علیؓ وفاطمہؓ اور ان اخلاف کے ناموں کے ساتھ علیہ السلام وصلوات اللہ علیہ بھی لکھتے ہیں، بلکہ اکثر شیعہ روایتوں کو اپنی کتاب میں درج کرتے ہیں (ص ۴۲ تتمہ فہرست مخطوطات عربی برٹش میوزیم) ان کے معاصرین میں کتنے لوگ تھے جو ان کو مسلکاً شیعہ جانتے تھے۔

خود علامہ ابن کثیرؒ نے جو ان کو "احد ائمة الاسلام" کہتے ہیں یہ واقعہ لکھا ہے کہ جب ماہ شوال ۳۱۰ھ میں بغداد میں ان کی وفات ہوئی تو اہل سنت میں سے حنابلہ کی ایک جماعت نے ان کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ ہونے دیا اس لئے ان کو ان کے مکان ہی کے اندر دفن کیا گیا۔

ودفن في داره لان بعض عوام الحنابلة ورعاعهم منعوا من دفنه نهاراً ونسبوه الى الرفض۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱۱ ص ۱۴۶)

اور (ابن جریر طبری) کو ان کے گھر میں دفن کیا گیا، کیونکہ بعض عوام حنبلیوں اور ان کے حوالی موالیوں نے ان کی میت کو دن میں دفن نہ ہونے دیا اور ان کو رفض سے نسبت دی، یعنی رافضی بتایا۔

یہ تو ان کے معاصرین کی باتیں تھیں، آج بھی ان کی تالیفات کا دقت نظر سے مطالعہ کرنے سے بخوبی واضح ہے کہ ان کا میل اور رجحان شیعیت وتفضیلیت کی جانب کس درجہ رہا ہے۔ ابو مخنف وغیرہ کذابین کی وضعی روایتوں کی اپنی کتاب میں بھرمار بھی اس کا ایک ثبوت ہے۔ پھر حضرت علیؓ سے جن صحابہ کا سیاسی اختلاف رہا ان کی تنقیص میں وضعی روایتوں کو اپنی کتاب میں اکثر وبیشتر درج کیا ہے۔ خصوصاً حضرت معاویہؓ اور یزید بن معاویہؒ کی تنقیص بلکہ سب وشتم کی خرافات کو۔

راویوں کی غلط بیانیاں

جیسا تفصیلاً عرض ہوا ابو مخنف ہی تنہا اس قسم کی تقریباً نوے فیصد روایتوں کا راوی ہے۔

اس نے حضرت حسینؓ کے واقعات خروج کے سلسلہ میں جو تاریخیں اور دن اپنی روایتوں میں تصریحاً بیان کئے ہیں اور مورخین نے بلا کسی استفسار کے محض روایت پرستی سے آنکھ بند کرکے نقل اور نقل در نقل کیا ہے ان کی حالت اور کیفیت یہ ہے۔ جیسا کہ گزشتہ اوراق میں تفصیلاً بیان ہو چکا ہے کہ مکہ سے روانگی کی تاریخ اور دن جو ابو مخنف کی روایت سے بیان ہوئے ہیں۔ ایک دوسرے سے مطابقت نہیں رکھتے۔ تاریخ صحیح ہے تو دن غلط، دن صحیح ہے تو تاریخ غلط۔ یہی کیفیت دوسری تاریخوں کی بھی ہے۔ مثالیں پیش کرنے سے پہلے زمانہ ماضی کے سنین ہجری و عیسوی کی تاریخوں کے دن صحت کے ساتھ معلوم کرنے کا فارمولا جس کا ذکر گزشتہ اوراق میں آیا ہے ذیل میں درج کیا جاتا ہے اگر کسی مستند تقویم اور جنتری سے بھی مدد نہ لی جائے تو معمولی استعداد کا شخص اور طالب علم بھی حساب لگا کر تاریخ کے مطلوبہ دن صحت کے ساتھ معلوم کر سکتا ہے۔

تاریخوں کے دن معلوم کرنے کا فارمولا

۱۷۵۲ء سے قبل کی تمام تاریخوں کے دن معلوم کرنے کے لئے یہ کلیہ کام میں لایا جاتا ہے۔ (س + ل + د) / ۷ یعنی جس سنہ کی کسی تاریخ کا دن معلوم کرنا ہو اس سے ایک سال پہلے کے سنہ کو "س" سے ظاہر کیا گیا ہے "ل" لوند (لیپ ایر) کے ان سالوں کی تعداد کو ظاہر کرتا ہے جو اس سنہ سے قبل تک آئے ہوں "د" سے مراد سال رواں کے پہلے دن سے تاریخ زیر بحث تک کے دنوں کی تعداد ہے۔ دنوں کو ہفتہ کے دن سے شمار کیا جاتا ہے۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو پروفیسر دل محمد مرحوم کی "دُرس نیو اتھیلٹک" (انگلش ایڈیشن)

مثال:۔ کربلا کا واقعہ ۱۰ر اکتوبر ۶۸۰ء کو پیش آیا۔ کلیہ میں "س"، "ل" اور "د" کی جگہ بالترتیب ۶۷۹، ۱۶۹، اور ۲۸۴ درج کرکے ان کے مجموعہ کو (۷) پر تقسیم کرنے سے خارج قسمت ۱۶۱ اور باقی (۵) آتا ہے۔ سنیچر سے (۵) دن آگے چہارشنبہ کا دن ہوتا ہے یہی ۱۰ر اکتوبر ۶۸۰ء مطابق ۱۰ر محرم ۶۱ھ کا دن ہے یعنی بدھ کا دن (ملاحظہ ہو نیو ارتھمیٹک دل محمد ایم اے) روایتوں میں جمعہ کا جو دن بیان ہوا ہے وہ غلط ہے۔

واضح رہے کہ عیسوی تقویم میں گریگوری سیزدہم کی اصلاح سے قبل ہر صدی کو لوند کا سال سمجھا جاتا تھا لیکن اب جو صدی (۴۰۰) پر پوری تقسیم ہو جائے وہی لوند کا سال خیال کیا جاتا ہے۔

غلط بیانیوں کی چند مثالیں

مندرجہ ذیل جدول پر سرسری نظر ڈالنے ہی سے اندازہ ہو جائے گا کہ دیگر واقعات تو رہے درکنار خروج کے سلسلہ میں جو تاریخیں اور دن کتب تاریخ میں بتصریح ماہ و سال درج ہیں ان میں ایسی ایسی فاحش غلطیاں ہیں کہ نہ کسی تاریخ سے دن کی مطابقت ہوتی ہے اور نہ کسی دن سے تاریخ کی۔ تقویم ہجری و عیسوی نیز کلیہ حساب کی رو سے راویوں کی بیان کردہ تاریخ کا جو دن آتا ہے آخری خانہ جدول میں درج ہے اور یہی دن صحیح دن ہے جس کی جانچ بھی کچھ دشوار نہیں مورخ طبری اور دوسرے مورخین نے حسب ذیل الفاظ میں یہ تاریخیں اور دن صراحت سے بیان کئے ہیں:۔

وکان خروج الحسین من مدینه الی مکة یوم الاحد لیلتین من رجب سنة ستین ودخل مکة لیلة الجمعة لثلاث مضین من شعبان فاقام بمکة بقیة شعبان ورمضان وشوال وذیقعدہ۔ وخرج من مکة لثمان مضین من ذی الحجة یوم الثلاثا یوم الترویه

حسینؓ مدینہ سے یکشنبہ کے دن ۱۶ر رجب کو نکل کر مکہ گئے اور جمعہ کی رات میں ۳ر شعبان کو مکہ میں داخل ہوئے پھر بقیہ ماہ شعبان و رمضان و شوال ذیعقدہ مکہ میں مقیم رہے اور ۸ر ذی الحجہ سہ شنبہ کے دن یوم ترویہ کو مکہ سے روانہ ہوئے۔

(ص۲۲ ج۶ طبری و ص۱۵۸ ج البدایہ والنہایہ)

ناسخ التواریخ کے مؤلف بھی یہی کچھ لکھتے ہیں:۔

"حسین علیہ السلام یکشنبہ بست و ہشتم رجب از مدینہ بیرون شد در روز جمعہ سیم شعبان وارد مکہ گشت۔ یوم ترویہ کہ روز سہ شنبہ ہشتم ذی الحجہ بود از مکہ آہنگ عراق نمود ہماں روز کہ مسلم بر ابن زیاد بیرون آمد و روز دیگر کہ

ل راقم الحروف کے پیش نظر انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی کی شائع کردہ تقویم ہجری و عیسوی مطبوعہ ۱۹۳۹ء ہے جو ابو النصر محمد خالدی ایم اے (عثمانیہ) نے ایک جرمن مستشرق ویزورڈ ۔ علے کی تقویم کی مدد سے مرتب کی تھی۔ یہ بڑی کار آمد و مستند تقویم ہے۔

یوم عرفہ بود شہید گشت۔ (صفحہ ۲۰۷ ج از کتاب دوم مطبوعہ ایران)

پھر ورود کربلا کی تاریخ ۲ محرم بتاتے ہوئے صفحہ ۲۲۵ پر لکھتے ہیں کہ

"ایں واقعہ درروز پنجشنبہ دوم شہر محرم الحرام بود"

مورخ طبری بھی حضرت حسین رضؓ کے قریہ العقر میں وارد ہونے کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

ثم نزل (ای العقر) وذلک یوم الخمیس وھوالیوم الثانی من المحرم سنۃ ۶۱ھ (صفحہ ۲۳۲ ج ۶ طبری)	پھر (العقر) کے مقام پر اتر پڑے اور یہ دن پنجشنبہ کا تھا اور محرم سنہ ۶۱ھ کی دوسری تاریخ تھی۔

مورخین کی مندرجہ بالا تصریحات (تاریخ و دن) کا جب موازنہ جدول کے آخری خانہ کے مندرجات سے کیا جائے تو یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی کہ راویوں کے بیان کئے ہوئے دن اور تاریخیں اس درجہ مختلف و متضاد ہیں، کہ کسی طرح لائق و قابل یقین نہیں۔ بلکہ اس شبہ میں قوت پیدا کرنے کا موجب ہیں کہ اس واقعہ حزن انگیز کے اسّی نوّے برس کی مدت منقضی ہونے کے بعد وضعی روایتوں کے ساتھ ساتھ یہ دن اور تاریخیں بھی وضع ہوئے ورنہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے کہ واقفانِ حال غلط تاریخیں اور دن بیان کرتے۔ یہ بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ کسی راوی کا نہ کوئی چشم دید واقعہ ہے اور نہ راویوں میں سے کوئی حسینی قافلہ میں موجود تھا۔ مولف مجاہد اعظم کو اعتراف ہے کہ "سروان اہلبیت سے کوئی واقعہ مروی نہیں۔ سید الساجدین حالت بیماری میں خیمہ کے اندر تھے، حسن مثنیٰ یا وہ لوگ جو درجہ شہادت پر فائز نہ ہوئے ان سے کوئی واقعہ ضروری نہیں۔ جس شخص نے جیسا سنا دوسرے سے اور دوسرے نے تیسرے سے بیان کر دیا۔ بیان واقعات میں کسی راوی سے سہو ہوا کسی کے طرز بیان نے واقعہ کی اصلیت کو افراط تفریط سے مسخ کر دیا۔" (صفحہ ۱۷۶)

سچ ہے حق بر زبان جاری کسی کا کوئی چشم دید واقعہ بیان نہیں ہوا۔

جدول تاریخ و دن

تاریخیں اور دن جو مورخین نے ابو مخنف کی روایت سے بیان کی ہیں						صحیح دن ازروئے تقویم وکلیہ حساب اور عیسوی سنہ و تاریخ و ماہ سے تطابق	
نمبر	تفصیل واقعہ	سنہ	تاریخ و ماہ	دن	صحیح یا غلط		
۱	مدینہ سے مکہ کو روانگی	سنہ ۶۰ھ	۲۸ رجب	یکشنبہ	غلط	جمعہ	۴ مئی سنہ ۶۸۰ء
۲	مکہ میں آمد	"	۳ شعبان	جمعہ	"	چہارشنبہ	۹ "
۳	مسلم کا حملہ گورنر کوفہ پر	"	۸ ذی الحجہ	سہ شنبہ	"	یکشنبہ	۹ ستمبر
۴	مسلم کا قتل ہونا	"	۹ "	چہارشنبہ	"	دوشنبہ	۱۰ "
۵	مکہ سے عراق کو روانگی	"	۸ "	سہ شنبہ	"	یکشنبہ	۹ "
۶	العقر (کربلا) پہنچنے کی وضعی تاریخ	سنہ ۶۱ھ	۲ محرم	پنجشنبہ	"	سہ شنبہ	۲ اکتوبر سنہ ۶۸۰ء
۷	حادثۂ کربلا	"	۱۰ محرم	جمعہ	"	چہارشنبہ	۱۰ "

۱۰ محرم سنہ ۶۱ھ کا ۱۰ اکتوبر سنہ ۶۸۰ء سے مطابق ہونا "مجاہد اعظم" کے شیعہ مولف کو بھی تسلیم۔ ۱۰ اکتوبر سنہ ۶۸۰ء کو ازروئے تقویم و کلیہ حساب چہار شنبہ تھا نہ کہ جمعہ۔

کسی ایک دن یا تاریخ کے بیان کرنے میں سہواً غلطی ہو جاتی تب بھی تاویل کی گنجائش ممکن نہ تھی لیکن یہاں تو کیفیت یہ ہے کہ ساتوں تاریخیں اور دن جو راویوں کے بیان کردہ ہیں باہم مطابق نہیں، نہ تاریخ دن سے اور نہ دن تاریخ سے حالانکہ یہ سب دن اور تاریخیں حضرت حسینؓ کے اقدام خروج کے ایسے اہم اور ناقابل فراموش دن اور تاریخیں ہیں کہ کمزور سے کمزور یادداشت کا کوئی راوی بھی خواہ اس کا اپنا چشم دید واقعہ بھی نہ ہوتا لیکن اس نے کسی ایسے شخص کی زبانی یہ حالات سنے اور معلوم کئے ہوتے جسے ان کا ذاتی علم تھا تب بھی وہ ایسی فاحش غلطیوں اور غلط بیانیوں کا ہرگز ارتکاب نہیں کر سکتا تھا۔

جب دن اور تاریخیں تک بھی صحیح صحیح بیان نہ ہوئی ہوں تو دوسرے تمام حالات اور واقعات جو جزوی تفصیل کے ساتھ ان کے راویوں نے بیان کئے ہیں جن سے تاریخ کے ورق پر ہیں وہ کیونکر قابل وثوق و لائق یقین ہو سکتے ہیں خصوصاً ایسی حالت میں کہ ان واقعات کے بارے میں بقول حجۃ الاسلام امام غزالی علیہ الرحمۃ "شدید تعصب نے راہ اختیار کر لی ہو۔ وقد تطرق التعصب فی الواقعۃ" اور اس سیاسی مناقشہ کو مذہبی رنگ دے کر وضعی روایات کا پہاڑ بنا کر کھڑا کر دیا گیا ہو۔

تاریخوں اور دنوں کے اس بیّن تناقض و تضاد کے علاوہ خود وقوعہ کی جگہ و مقام اور مہینے اور وقت کے بارے میں بھی سب راوی متفق و یک زبان نہیں ایک کچھ بیان کرتا ہے - دوسرا کچھ۔ مؤرخ طبری نے ابن سعد کے حوالہ سے یہ روایتیں بھی اپنی تاریخ میں درج کی ہیں کہ حضرت حسینؓ محرم کے مہینے میں نہیں ماہ صفر میں قتل ہوئے اور کربلا میں نہیں بلکہ نینوی میں یہ حادثہ پیش آیا تھا - ان روایتوں کے الفاظ یہ ہیں:۔

(۱) قال ابن سعد اخبرنا محمد بن عمر قال قتل الحسین بن علی فی صفر سنۃ ۶۱ھ وهو یومئذ ابن خمس وخمسین۔

ابن سعد کہتے ہیں کہ محمد بن عمر نے ہم سے بیان کیا حسین بن علیؓ ماہ صفر سنہ ۶۱ھ میں قتل ہوئے۔ اس وقت ان کا سن پچپن برس کا تھا۔

(ص ۲۲۳ ج طبری)

(۱) فقدم (الحسین) العراق فقتل بنینوی یوم عاشوراء سنۃ ۶۱ھ۔

اور حسینؓ عراق میں آئے۔ اور روز عاشورہ سنہ ۶۱ھ کو مقام نینوی میں قتل ہوئے۔

(ص ۲۲۳ ج طبری)

خود ابو مخنف نے بھی نینوی میں حضرت حسینؓ کے اترنے اور پہنچنے کا ذکر دو جگہ کیا ہے۔ مثلاً جہاں یہ وضعی روایت بیان کی ہے کہ "حُر ان کو مجبور کرتا تھا کوفہ کے رُخ پر چلنے کے لئے۔ مگر وہ نہیں مانتے تھے اور آگے بڑھ جاتے تھے، چنانچہ اسی طرح بائیں جانب کو مڑتے ہوئے چلے یہاں تک کہ نینوی پہنچے اور یہی وہ مقام ہے جہاں حسینؓ اتر پڑے۔ "حتی انتهوا الی نینوی المکان الذی نزل به الحسین (ص ۲۳۲ ج طبری طبع اولی مصر)

دوسری جگہ طبری کے اسی صفحہ پر ایک اور روایت کے لفظ ہیں۔ فقالوا دعنا ننزل فی هذه القریة یعنون نینوی انہوں نے کہا کہ بس ہمیں چھوڑ دو اور اسی قریہ یعنی نینوی میں اتر جانے دو۔ یہ نینوی جس کا روایتوں میں اس طرح بار بار ذکر آیا ہے وہ قدیم اور مشہور تاریخی مقام ہے جو کربلا (العقر) سے سیکڑوں کوس دور شمال کی جانب موصل کے قریب واقع تھا جہاں اس کے کھنڈر آج تک موجود ہیں کربلا کے قرب میں نینوی نام کسی قریہ کا موجود ہونا ہی ثابت نہیں۔ قریۃ العقر اگر وہی ہے جس کا عقر بابل کے نام سے ذکر آیا ہے - اسی کے مضافاتی میدان کربلا میں ۱۰ محرم سنہ ۶۱ھ کو اس حادثہ فاجعہ کا واقع ہونا توہم واشہر ہے خصوصاً اس وقت سے کہ معز الدولہ دیلمی نے اپنے زمانہ اقتدار میں ۱۰ محرم کو "ماتم حسین" کا دن مقرر کیا تھا اور سب سے پہلے اس رسم کی بنیاد ۳۵۲ھ میں یعنی واقعہ سے تقریباً تین سو برس بعد اسی نے ڈالی تھی شیعہ مورخ مسٹر جسٹس امیر علی فرماتے ہیں کہ "ماتم حسین" کا بانی مبانی معز الدولہ ہی تھا، وہ اس کے حال میں کہتے ہیں:۔

معز الدولہ :۔ یہ شخص شیعہ تھا اور یہی وہ شخص ہے جس نے محرم کی دسویں تاریخ کربلا کے حادثہ فاجعہ کی یادگار کے طور سے قائم اور مقرر کی تھی۔"

(ص ۳۰۳ شارٹ ہسٹری آف سیرلینز مطبوعہ ۱۹۲۱ء)

"مجاہد عالم" کے شیعہ مولف بھی عزاداری کی ابتداء ۳۵۲ھ سے بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :

"سلطنت بغداد کے ضعف پر دیلمی خاندان (بُویہ) کو عروج ہوا تو ۳۵۲ھ میں معز الدولہ دیلمی کے حکم سے بغداد میں حسین مظلوم کا علانیہ ماتم منایا گیا۔ اور یہ پہلا موقعہ تھا کہ اس طرح بہ تغیر نوعیت آزادانہ مجلس عزا قائم ہوئی۔ یہ رسم بغداد میں کئی برس جاری رہی"

(ص ۳۴۴)

علامہ ابن کثیرؒ کے بیان سے اس کی تائید مزید ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں

فی عاشر المحرم من هذه السنة (۳۵۸ھ) امر معز الدولہ بن بویہ ینحیَ علی الحسین بن علی بن ابی طالبؓ۔	اور اس سنہ (۳۵۲ھ) میں معز الدولہ بن بویہ نے حسین بن علی بن ابی طالب پر ماتم کرنے کا حکم دیا۔

(ص ۲۸۳ ج البدایہ والنہایہ)

لہ حکم تھا کہ جلوس کے ساتھ بازاروں میں عورتیں بال کھولے سر پیٹتی نکلیں اسلام کی تاریخ میں بویہ خاندان کا عروج سیاہ ترین دور تھا۔ ایک طرف عبیدیوں کا مصر پر تسلط تھا جنہوں نے اسلام اور مسلمانوں کی بیخ ہر ممکن کوشش کی اور دوسری طرف یہ بویہ خاندان تھا جو بظاہر خلیفہ کی بیعت میں تھا اور بباطن خلافت کا انتہائی دشمن۔ انہوں نے رفتہ رفتہ خلیفہ کے تمام اختیارات سلب کر کے انہیں عضو معطل بنا دیا تھا نام کو مسلمانوں کا امام موجود تھا اور ہر جمعہ کو منبروں پر اس کے لئے دعائیں کی جاتی تھیں۔ مگر معمولی معمولی باتوں میں بھی امام المسلمین کو یارائے دم نہ تھا۔ سب اختیار اور تمام قوت معز الدولہ کی تھی ۳۵۱ھ میں بغداد کی مسجدوں میں لکھوا دیا گیا لعنت ہو معاویہ پر لعنت ہو اس پر جس نے فاطمہ کا حق غصب کیا اور انہیں فدک نہ دیا، نیز اس پر جس نے حسنؓ کو ان کے نانا کے پاس دفن نہ ہونے دیا اور لعنت اس پر جس نے ابوذر کو شہر کیا"
رات میں مسلمانوں نے یہ عبارت ہر جگہ سے مٹا دی تو دوسرے دن معز الدولہ نے

بہرحال ارض الطف کے قریہ العقر کی مضافاتی زمین کربلا میں ۱۰ محرم ۶۱ھ کو اس واقعہ کے پیش آنے کے بارے میں اخبار متواتر مشہور ہیں لیکن اصل صورت واقعہ کیا تھی اس بارے میں ہمارے زمانہ سے آٹھ سو برس پیشتر حجۃ الاسلام امام غزالیؒ جیسے علامہ زماں فرماتے ہیں کہ :

"جو شخص یہ گمان رکھتا ہو کہ یزید نے قتل حسین کا حکم دیا تھا یا اس پر رضامندی کا اظہار کیا تھا تو جاننا چاہیئے کہ وہ شخص پرلے درجہ کا احمق ہے۔ اکابر و وزراء اور سلاطین میں سے جو جو اپنے زمانہ میں قتل ہوئے اگر کوئی شخص ان کی یہ حقیقت معلوم کرنا چاہے کہ قتل کا حکم کس نے دیا تھا کون اس پر راضی تھا اور کس نے اس کو ناپسند کیا تو اس پر قادر نہ ہوگا کہ اس کی کنہ تک پہنچ سکے اگرچہ یہ قتل اس کے پڑوس میں اور اس کے زمانہ اور موجودگی میں ہی کیوں نہ ہوا ہو، پھر تو اس واقعہ تک کیونکر رسائی ہو سکتی ہے جو دور دراز شہروں اور قدیم زمانہ میں گذرا ہو پس کیونکر

اسے دوبارہ لکھوانے کا حکم دیا۔ لیکن اس کے وزیر المہلبی کے مشورے سے صرف اتنا لکھوا دیا گیا، خدا کی لعنت ہو ان پر جنہوں نے آل رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ظلم کیا اور لعنت ہو معاویہ پر"

یہ ابتدا تھی ۳۵۲ھ میں یہ حکم لازم کر دیا کہ عاشوراء کے دن بازار بند رہیں، نانبائی کھانا نہ پکائیں، جگہ جگہ قبے نصب ہوں جن پر سیاہ پردے لٹکائے جائیں اور عورتیں بال کھولے ہوئے بازاروں میں منہ پیٹتی نکلیں اور حسین کا ماتم کریں"

پھر اسی سال ۱۸ ذی الحجہ کو عید غدیر منائی گئی اور ڈھول تاشے پیٹے گئے۔ یعنی محرم کی تمام بدعات اور بدلیات کا بانی یہی معز الدولہ تھا۔ عاشوراء کی اہمیت کے تحت ۱۰ محرم الحرام کا دن اسی طرح مقرر کر دیا گیا جس طرح پولوس نے مشرکین مغرب کے سورج دیوتا کی پیدائش کے دن کو یعنی ۲۵ دسمبر کو سیدنا مسیح علیہ السلام کا یوم پیدائش متعین کیا تھا۔ پولوسیت اور سبائیت قدم بقدم ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔

اس واقعہ کی حقیقت کا پتہ چل سکتا ہے۔ جس پر چار سو برس کی طویل مدت بعید مقام میں منقضی ہو چکی ہو۔ امر واقعہ یہ ہے کہ اس بارے میں شدید تعصب کی راہ اختیار کی گئی ہے اسی وجہ سے اس واقعہ کے بارے میں مختلف گروہوں کی طرف سے بکثرت روایتیں مروی ہیں پس یہ ایک ایسا واقعہ ہے جس کی حقیقت کا ہرگز پتہ نہیں چل سکتا اور جب حقیقت تعصب کے پردوں میں روپوش ہے تو پھر ہر مسلمان کے ساتھ حسن ظن رکھنا واجب ہے جہاں حسن ظن کے قرائن ممکن ہوں (الی آخرہ)"

(صفحہ ۴۶۲ وفیات الاعیان ابن خلکان بذیل ترجمہ الکیا الہراسی)

امام غزالیؒ کے آخری فقرے کے الفاظ ہیں فھذا الامر لا یعلم حقیقتہ

یعنی یہ ایسا واقعہ ہے جس کی حقیقت کا ہرگز پتہ نہیں چل سکتا۔

یہ الفاظ آٹھ سو برس پہلے اس وقت سپرد قلم ہوئے تھے جب واقعہ کی صورت کاذبہ کی لفظی تصویرکشی کے لئے وضعی روایتوں کا اتنا انبار شاید موجود نہ تھا جتنا زمانہ مابعد میں وقتاً فوقتاً یکجا ہوتا آتا ہم جو حقائق ان اوراق میں پیش کئے گئے ان سے واقعہ کی اصلی حقیقت و نوعیت کے انکشاف میں مدد ملنے کے ساتھ ہی اتنا پتہ بالیقین چل گیا کہ ابو مخنف لوط وغیرہ راویوں کی روایتیں خصوصاً ورود کربلا و منع آب اور معرکہ آرائیوں کے بیانات ناقابل اعتبار، حقیقت سے بعید بلکہ طبع زاد ہیں، کچھ کذب و افترا ہے کچھ کذب حق نما ہے علی الخصوص واقعات کی تاریخوں اور دنوں کی تصریحات جن کی تکذیب اس امر واقعہ سے ناقابل تردید طریقہ پر ہو جاتی ہے کہ حسینی قافلہ نو سو پچاس انگریزی اور آٹھ سو عربی میل کی مسافت بعیدہ دشوار گذار مراحل سے طے کر کے کسی حالت میں بھی بیس بائیس (۲۲) دن میں جائے وقوعہ پر نہیں پہنچ سکتا ۲ محرم ۶۱ھ کو پہنچ جانے کی روایت کے وضع کرنے والے کو اتنا بھی معلوم نہ تھا کہ اس تاریخ کو کونسا دن تھا یا اس دن کونسی تاریخ تھی سہ شنبہ صحیح دن کے بجائے پنجشنبہ غلط دن لکھ مارا۔ جب تاریخ اور دن بھی یہ راوی صحیح صحیح نہیں بتا سکتے تو ان روایتوں کی پھر حقیقت ہی کیا باقی رہ جاتی ہے جو طرح طرح کے مظالم، منع آب اور مصنوعی معرکہ آرائیوں کی بڑے

الغزالی متوفی ۵۰۵ھ کے زمانہ سے واقعہ کربلا کو چار سو برس کی مدت گذر چکی تھی۔

آب و تاب سے بیان ہوئی ہیں۔ آٹھ دن پہلے ہی قافلہ کو جائے وقوعہ پر پہنچا دینے کی روایت تو صاف ظاہر ہے اسی مقصد سے وضع ہوئی کہ واقعات کو اصلی رنگ میں پیش کرنے کے بجائے راوی کو اپنے ذہنی سے پیش کرنا تھا۔ ولندیزی محقق دے خوئے (د ے خو ی ے D) نے اپنے محققانہ مقالہ میں حادثہ کربلا کے متعلق ایک موقع پر لکھا ہے کہ:-

کسی دوسرے انجام اور نتیجہ کی توقع اس ناعاقبت اندیشانہ مہم کے سلسلہ میں نہیں کی جا سکتی تھی مگر پیغمبر (صاحب) کے نواسہ علیؓ کے فرزند اور ان کے اتنے اہل خاندان (کے مقتول ہو جانے) کا تعلق اور چونکہ اس حادثہ میں تھا اس لئے حسینؓ کے دلی حامیوں نے جو اپنی درخواستوں و دعوت ناموں، کی بنا پر اس حادثہ فاجعہ کا اصلی اور حقیقی سبب ہوئے تھے (انہوں نے بعد میں) اس کو ایک المیہ بنا لیا اور واقعات نے بتدریجاً ایک افسانہ کا رنگ اختیار کر لیا عمر بن سعد (رض) اور اس کے فوجی افسروں کو عبید اللہ (بن زیاد) کو حتیٰ کہ یزید (رح) کو بھی قاتل سمجھا جانے لگا۔

(صفحہ ۲۹ ج انسائیکلوپیڈیا برطانیکا۔ گیارھواں ایڈیشن)

کذب و افترا کی بدترین مثال

دے خوے جیسے آزاد اور بے لاگ محقق کے آخری فقرے میں عمال کوفہ کے بارے میں جو اشارہ ہے کہ واقعات نے جب تدریجاً افسانہ کا رنگ اختیار کر لیا تو عمر بن سعدؓ وغیرہ کو بھی قاتل سمجھا جانے لگا وہ اشارہ ان ہی وضعی روایتوں کی جانب ہے۔ عمر بن سعد بن ابی وقاصؓ خروج حسینی کے زمانے میں صوبہ کوفہ کے امیر عسکر تھے۔ حضرت حسینؓ سے ان کی قرابت قریبہ تھی۔ وہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کے فرزند ہیں اور حضرت سعدؓ آنحضرت صلعم کے رشتہ میں ماموں سیدہ آمنہ کے ابن عم تھے، سابقون الاولون اور عشرہ مبشرہ میں ہیں اسلام لانے والوں میں چھٹے تھے اور ان چھ صحابہ میں تھے جنہیں حضرت فاروق اعظمؓ نے خلافت کے لئے نامزد کیا تھا۔ بڑے شجاع تھے تیر اندازی میں کمال رکھتے تھے۔ جنگ احد میں ان کی تیر اندازی پر نبی کریم صلعم نے ان سے فرمایا تھا۔

(یعنی اے سعد، تیر پھینکے جاؤ میرے ماں باپ تم پر فدا پھر فرمایا۔ یہ میرے ماموں

(صفحہ ۱۰۶ المعارف ابن قتیبہ طبع اول مصر)

ہیں اور اب لائے کوئی آدمی اپنا ایسا ماموں!

فاتح ایران تھے اور ان صحابہ میں سے تھے جو دولت و ثروت، علوئے مرتبت میں ممتاز رہے ان کی سیاسی زندگی بے داغ تھی۔ حضرت علی رض جب حضرت عثمان رض کے مقابلہ میں انتخاب خلافت کے لئے کوشاں تھے اپنے فرزند کو ساتھ لے کر گئے اور حضرت سعد رض سے فرمایا اس کی جو قرابت آپ سے ہے اس کے اعتبار سے میرے حق میں رائے دیجئے۔ وہ شہادت عثمان رض کے بعد کے جھگڑوں سے قطعاً بے تعلق رہے ان کے اور ان کی اولاد کے تعلقات ہاشمی خاندان سے خلوص و محبت کے قائم رہے۔ حادثہ کربلا سے صرف پانچ سال پہلے وفات پائی۔ ان ہی کے یہ فرزند عمر بن سعد رض امیر عسکر کوفہ تھے جو نبی کریم صلعم کے عہد مبارک میں تولد ہوئے شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی رح نے الاصابہ فی تمیز الصحابہ میں بر صغار صحابہ ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

عمر بن سعد بن ابی وقاص الزہری	عمر بن سعد بن ابی وقاص الزہری۔ یہ نبی
انہ ولد فی عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم	صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تولد ہوئے

(ص ۱۷۳ ج ۳)

عہد نبوی کے یہ مولود، نبی کریم کے ماموں کے فرزند، بچپن میں جن کی آنکھیں جمال نبوی سے منور ہوئیں، جنہوں نے عشرہ مبشرہ کے ایک جنتی صحابی کی گود میں پرورش پائی۔ جن کے گھرانے کے چند در چند تعلقات قرابت خاندان نبوت سے قائم تھے۔ جن کے دادا کی حقیقی بہن ہالہ بنت وہب نبی کریم صلعم کے چچا سید الشہدا حمزہ رض کی والدہ ماجدہ تھیں جن کے حقیقی چچا حضرت عامر بن ابی وقاص رض ان صحابیوں میں تھے، جنہوں نے حبشہ کو ہجرت کی تھی، جن کے دوسرے چچا حضرت مخرمہ رض اور ان کے فرزند حضرت المسور رض نیز چچیرے بھائی حضرت نافع بن عتبہ بن ابی وقاص رض سب صحبت یافتگان نبوی میں وہ صحابی بزرگ تھے جن کی نسبت باطنیہ ایسی قوی تھی کہ مابعد کے اولیا ربھی ان صحابہ کرام کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتے تھے ان ہی بزرگوں کی گودوں میں، ان ہی کے آغوش محبت و شفقت میں اور ایسے پاک ماحول میں عمر بن سعد رض نے شعور کی آنکھیں کھولی تھیں۔ خود بھی صغار صحابہ کے زمرہ میں شامل تھے اور قرابت کے کتنے ہی قوی سلسلے خاندان نبوت سے ان کو پیوستہ کئے ہوئے تھے۔ معمولی کردار کا کوئی عرب بھی خصوصاً قریش کے ممتاز گھرانے کا کوئی فرد تعلقات قرابت سے برگشتہ و منحرف نہیں ہو سکتا تھا، یہ تو اہل عرب

کا نسلی و خاندانی شیوہ ہی نہیں جبلت تھی۔

نبی کریم صلعم کے تعداد ازدواج کا مسئلہ متعدد حکمتیں رکھتا ہے۔ جن میں بڑی حکمت تعلقات قرابت کے سیاسی اثرات کی تھی کہ ازواج مطہرات کے خاندان اور قبیلے کے لوگ آپ کے جاں نثار بن گئے تھے۔ ان حالات کے پیش نظر حضرت حسین رض یا ان کے کسی عزیز کے خلاف امیر عسکر عمر بن سعد رض کی موجودگی میں جابرانہ و متشددانہ فعل تو کجا کوئی سخت رویہ بھی نہیں برتا جا سکتا تھا۔ ایسی صورت میں وضاعین کو اس مشکل کا سامنا تھا کہ وحشیانہ مظالم اور معرکہ آرائیوں کی وضعی داستانوں کو کس طرز پر مرتب کریں اور کیا وجہ اور کیا سبب ایک ایسے امیر عسکر کی موجودگی اور شمولیت کا بتائیں جس کے یہ حالات ہوں جس کی یہ خاندانی اور آبائی وابستگی خاندان نبوت سے ہو جس کی یہ تعلقات قرابت ہاشمی خاندان سے ہوں جس کی کسی مخالفت خاندانی کا یا جس کے ذاتی کردار کی کمزوری کا کوئی ادنیٰ ثبوت دستیاب نہ تھا، وضاعین نے چنانچہ یہ روایت وضع کر ڈالی کہ عبید اللہ عارضی گورنر کوفہ نے ملک رے کی حکومت کا فرمان عمر بن سعد رض کے لئے لکھ دیا تھا

(ص ۲۳۲ ج ۶ طبری و دیگر کتب تاریخ) اور اس تقرر کی وجہ یہ بیان کی گئی کہ رے کے موضع دستبی پر فرقہ دیلم نے قبضہ کر لیا تھا۔ یہ سن کر ابن زیاد نے عمر بن سعد رض کا تقرر کیا اور چار ہزار سپاہیوں کے ساتھ وہاں جانے کا حکم دیا لیکن حضرت حسین رض کے کوفہ آنے کی جب خبریں ملیں ان کا جانا ملتوی کر کے مقابلہ پر بھیجنا چاہا، قرابت کا عذر کیا تو ابن زیاد نے کہا یا تو ہمارا فرمان واپس کر دو یا اس کام کو انجام دو[۵]۔ رے کی حکومت کے لالچ میں آ کر منظور کر لیا اور یہ شعر بھی وضاعین نے ان کے منہ سے ہی کہلوا ڈالے:

---

[۵] ابن جریر طبری نے تو اس سلسلہ کی بعض وضعی روایتوں کو نوک پلک درست کر کے درج کتاب کرنا مناسب سمجھا مگر ابو مخنف میں خرافات واہیہ کا جو انبار لگا ہے، اس میں کہا گیا ہے کہ ابن زیاد نے جب یہ اعلان کیا کہ حسین کا سر جو کوئی کاٹ کر میرے پاس لے آئے گا (اس صلہ میں) دس برس تک ملک رے کی حکومت پائے گا۔

(ص ۵) پھر امیر عمر بن سعد رض پر یہ تہمت تراشی ہے کہ ابن زیاد کا یہ اعلان سنتے ہی کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے یہ کام میں انجام دوں گا، انہیں حکم

ءَاترکُ ملكَ الرّیِ والرّیِ منیتی | کیا میں ملک رے چھوڑ دوں اور ملک
ام اصبح ماثوما بقتل حسین | رے ہی کی مجھے خواہش ہے یا حسینؓ کے
وقتله النار التی لیس دونہا | قتل کے گناہ میں ماخوذ ہوں۔ لیکن ان کے قتل
حجاب وملكُ الریّ قرۃ عینی | کرنے میں دوزخ میں جاؤں گا جس کا کوئی
مانع نہیں۔ مگر ملک رے کی حکومت تو میری
آنکھ کی ٹھنڈک ہے۔

یہ شعر تو عمر بن سعدؓ کے منہ سے کہلوا دیئے، لیکن یہ بات راوی بھلا کیوں بتاتے کہ اس قریشی کو ملک رے کیوں اتنا محبوب تھا کہ دوزخ کی آگ میں جلنا منظور مگر رے کا ترک کرنا گوارا نہیں۔

مہ ملا کہ جاؤ یہ کام کرو اور ان لوگوں پر پانی بھی بند کر دو۔ انجام دہی کے لئے ایک مہینے کی مہلت مانگی انکار ہونے پر دس دن کی مہلت طلب کی، نامنظور ہوئی تو اٹھ کھڑے ہوئے۔ گھر پہنچے تو مہاجرین وانصار کی اولاد میں لوگ ابن سعد کے گھر میں داخل ہو کر ملامت کرنے لگے کہ میاں تمہارے باپ تو اسلام لانے والوں میں چھٹے تھے۔ بیعت الرضوان کے شرکاء میں سے تھے اور تم حسین سے لڑنے جا رہے ہو۔ اس پر راویوں نے یہ کلمات ابن سعدؓ کے منہ سے کہلوائے ہیں کہ قتل حسینؓ کے گناہ میں جہنم کی آگ میں جلنا منظور مگر ملک رے کی حکومت چھوڑنا منظور نہیں ابو مخنف نے تو آٹھ شعر کا قطعہ لکھ مارا ہے دوسرے وضاعین نے اس سے کچھ کم اشعار ابن سعدؓ سے منسوب کئے ہیں۔ جن میں اسی مضمون کا اعادہ ہے ساتھ ہی ہاتف کی زبان سے جواب میں چند شعر کہلوا دیئے ہیں۔ آخر کا شعر ہے ؎

یعنی اے بدترین خلائق قتل حسین کے بعد تجھے حکومت رے پر فائز ہونا نصیب نہ ہوگا
الغرض یہ ہے واہی روایت جس سے حسین کا سر کاٹ کر ابن زیاد کے سامنے پیش کرنے کا ثبوت فراہم کیا گیا ہے۔
(صـ۵)

کیا یہ عرب نژاد قریشی بھی عجمی ذہنیت کا تھا، ایک عجمی شاعر نے اصفہان وہمدان وقم و رے ان چار شہروں کو دنیا کے بہترین شہر بتاتے ہوئے رے کو "شاہِ بلاد" کہا ہے۔

معدن مردمی وکانِ کرم وشاہِ بلاد | رتے بود رتے کہ چو رے درہمہ عالم نہ بود

کیا تعجب "شاہ بلاد" کی حکومت کے لالچ کا یہ قصہ بھی اسی عجمی ذہنیت کی اختراع ہو اس روایت کو اتنی شہرت دی گئی کہ ہر مورخ نے اپنے صفحات تالیف میں جگہ دی۔
اب دیکھنا یہ ہے کہ اس بے تکی روایت کی کوئی تک بھی ہے۔ بیان ہو چکا کہ عبید اللہ بن زیاد کو کوفہ کے انتظام کے لئے عارضی طور سے بصرہ سے یہاں بھیجا گیا تھا۔ خود ابو مخنف لوطنے ان کی اس تقریر کے فقرے جو کوفہ پہنچتے ہی مسجد جامع کے منبر پر سے کی تھی نقل کئے ہیں جو آپ ان اوراق میں پڑھ چکے ہیں، ان میں انہوں نے کوفیوں سے کہا تھا۔
(صـ۲۰۱ ج طبری) یعنی امیر المومنین نے خدا ان کی بہتری کرے مجھے تمہارے شہر (کوفہ) اور اس کے حدود کا والی مقرر کیا ہے۔ جب وہ کوفہ اور اس کے حدود کا ہی والی تھا تو غیر علاقہ (رے) کے معاملات سے اس کا کیا تعلق اور واسطہ ایک علاقہ کا والی یا عامل (گورنر) دوسرے علاقے کے والی وعامل (گورنر) کا تقرر کرنے اور تقرر کا فرمان لکھنے اور اپنے مہر اور دستخط سے اس کے اجراء کرنے کا مجاز کیوں اور کیسے ہو سکتا ہے۔ والیوں اور گورنروں کے تقرر وتبادلہ وبرطرفی کا اختیار کلی تو مرکزی حکومت

ـ۵ وضعی روایتوں میں یہ لغویات بھی کہی گئی ہے کہ امیر المومنین یزیدؒ نے اپنے والد کے غلام "سرجون رومی" سے کوفیوں کی باغیانہ سرگرمیوں کا حال سن کر وہاں کے انتظام کا مشورہ کیا اس نے عبید اللہ کے وہاں بھیجنے کا مشورہ دیا۔ یہ سرجون جس کا صحیح نام سرجین تھا محکمہ مالیات کا کارکن تھا۔ شاید ایک عیسائی رومی سے اسلامی مملکت کے انتظامی امور میں مشورہ کرنا بطور تنقیص کے بیان ہوا ہو۔ امیر المومنین جو اپنے وہ سالہ زمانہ ولیعہدی میں مہمات جہاد کے علاوہ کاروبار خلافت کا عملی تجربہ رکھتے تھے عمال خلافت کی اہلیت اور کارکردگی کی قابلیت سے بذاتِ خود واقف تھے ان کو محکمۂ مالیات کے عیسائی کارکن سے مشورہ کرنے کی کیا ضرورت تھی وہ اگر مشورہ کرتے تو حضرت ضحاک بن قیس الفہریؓ صحابی وعامل دمشق جیسے اعیان سے کرتے نہ کہ صیغۂ مالیات کے عیسائی کارکن سے۔

کو ہوتا ہے خود اسی کا تبادلہ بصرہ سے کوفہ کو امیر المومنین ہی نے کیا تھا۔ اور انہوں نے ہی جیسا ان کے عہد خلافت کے کوائف میں بالصراحت مذکور ہے مدینہ و مکہ و خراسان وغیرہ کے والیوں میں سے کسی کا تبادلہ کیا، کسی کو مقرر کیا، کسی کو خدمت سے سبکدوش کیا غرضیکہ والیوں اور گورنروں کے عزل و نصب کا اختیار سوائے امیر المومنین کے کسی دوسرے والی یا گورنر کو نہیں ہو سکتا تھا اور نہ واقعۃً تھا تو پھر کیا یہ روایت بے اصل بے حقیقت نہیں۔؟

کہاں کوفہ کا عارضی والی گورنر اور کہاں رے کی حکومت پر اپنے ہی ہم رتبہ و ہم مرتبہ والی و عامل کے تقرر کا باختیار خود اجرائے فرمان! ببیں تفاوت رہ از کجا است تا بکجا امیر المومنین نے والیوں اور عاملوں کے عزل و نصب کا اختیار نہ اس عارضی والی کو دیا تھا اور نہ ایسا کرنے کی کوئی وجہ تھی اور نہ خود اس کے اپنے بیان سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ کوفہ شہر اور اس کے حدود کے علاوہ تمام ممالک ایران کا والی تھا۔ البتہ خود کوفہ ہی کے حدود (سرحدوں) میں کسی مقام پر کوئی بغاوت ہوئی ہوتی کسی فتنے نے سر اٹھایا ہوتا تب بھی اک بات تھی، امیر عسکر کو مع دستہ فوج اس کے دفعیہ کے لئے بھیجا جا سکتا تھا۔ شاید روایت وضع کرنے والے کو جغرافیہ کی معمولی معلومات بھی حاصل نہ تھیں۔ رے کا علاقہ تو کوفہ کے علاقہ سے سیکڑوں کوس دور واقع تھا، درمیان میں کئی علاقے پڑتے تھے رے کے علاقہ میں کہیں کوئی واقعہ پیش آیا تھا، کوئی بغاوت ہوئی تھی۔ اول تو خود وہیں کا عامل تدارک کرتا وہ عاجز و لاچار تھا تو قرب و جوار اور ملحقہ و متصلہ علاقوں کے والی امداد بھیجتے خصوصاً خراسان کے والی جن کے علاقے کی سرحدیں اس سے ملتی تھیں۔ والی خراسان اس زمانہ میں قیس بن الہثیم السلمی تھے۔

تاریخ سے ثابت ہے کہ واقعہ کربلا کے بعد ہی امیر المومنین یزیدؒ نے مسلم بن زیاد کو ان کے بجائے والی خراسان مقرر کیا تھا انہوں نے بخارا، کر کابخ اور خوارزم وغیرہ پر جہاد کئے، بکثرت مال غنیمت حاصل کر کے دربار خلافت کو ارسال کیا (ص۳۰۵ کتاب البلدان یعقوبی مطبوعہ ایریل ۱۸۶۰ء و دیگر کتب تاریخ، ان ہی اموال غنائم میں سے کثیر مقدار فیاض طبع و دریادل امیر المومنین نے حضرت حسینؓ کے چچیرے بھائی حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ کو اور ان کے جود و سخا کی بدولت اہل مدینہ کو عطا کی تھی جس کا حال ان اوراق میں آپ

ملاحظہ کر رہے ہیں۔ ایران کے بعض علاقے اگر والی کوفہ کے ماتحت بھی قرار دیئے جائیں تب بھی ایک عارضی والی کو جو کار خاص کی انجام دہی کے لئے متعین کیا گیا تھا اس نوعیت سے تقرر کرنے کا نہ اختیار تھا اور نہ موقع اور وقت مبتی موضع (مواضعات) جن کا نام اس وضعی روایت میں لیا گیا ہے حسب تصریح صاحب معجم البلدان دینا وند میں شامل اور رے و ہمدان کے علاقوں میں منقسم تھے ان مواضعات کو قزوین کے علاقہ میں بھی شمار کیا گیا (ص۵۵ ج۸ معجم البلدان) رے سے سواسان کے علاقہ کا اتصال شاہراہ اعظم سے تھا" والرے علیٰ جادۃ طریق خراسان (ص۵۲ کتاب البلدان) مگر کوفہ سے رے پہنچنے کے لئے کئی علاقوں سے یعنی الدینور و قزوین وغیرہ سے گذر ہوتا تھا بہر حال موضع دستبی میں ایسا کوئی واقعہ پیش بھی آیا تھا اور اس کو اتنی اہمیت بھی حاصل تھی کہ ابن زیاد نے کوفہ پہنچتے ہی کار مفوضہ کی انجام دہی کو تو ملتوی کر دیا حالانکہ جیسا بیان ہو چکا اور خود ان ہی راویوں کی روایتوں میں اس کی بھی تصریح ہے کہ امیر المومنین نے اسے خاص طور سے اسی کام پر مامور کیا تھا یعنی باغیان کوفہ کی سرکوبی کر کے امن عامہ بحال کرنا اور نظم و نسق سلطنت استوار کرنے کی ایسی موثر تدابیر اختیار کرنا کہ پھر کوئی فتنہ سر نہ اٹھا سکے، یہ وہ کام تھا جسے اس نے کوفہ کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی عملاً شروع کر دیا تھا۔ باوجود اس کے وضعی روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ۔

ابن زیاد نے چار ہزار لشکر جرار کی فراہمی کا دستبی کے لئے چند ہی دن میں انتظام بھی کر لیا اور کوفہ کے امیر عسکر کو رے کی حکومت کا فرمان بھی باختیار خود لکھ دیا اور روانگی کا حکم بھی دے دیا کہ اتنے میں حسینؓ کی آمد آمد کی خبریں پہنچیں، سن کر چونک پڑا۔ دستبی والی فوج کو روک لیا اور نامزد والی و گورنر سے کہا "پہلے حسینؓ کی طرف متوجہ ہو جب ہمارے اور ان کے درمیان جو معاملہ ہے اس سے فراغت پا جائیں تو پھر تم اپنی خدمت پر (ملک رے کی حکومت پر) چلے جانا" فسر الی الحسین فاذا فرغنا مما بیننا و بینہ سرت الی عملك (ص۲۳۲ ج۶ طبری)

چنانچہ ان راویوں نے حضرت حسینؓ کے معاملہ سے فراغت پا جانے کی کیسی کچھ تفصیلات پیش کی ہیں جن سے کتب تاریخ کے اوراق مملو ہیں لیکن کسی راوی یا مورخ نے یہ بتانے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ جب یہ لوگ "حضرت حسینؓ کے معاملے سے فراغت پا چکے

تو پھر حسب قرارداد باہمی اس نامزد والی یا عامل نے ملک رے جا کر اپنے جدید عہدہ کا چارج
کیوں اور کس وجہ سے نہیں لیا بحالیکہ ابن زیاد کی خواہش اور حکم کے مطابق جیسا یہ راوی
بیان کرتے ہیں، کیسے کیسے وحشیانہ مظالم کے ساتھ حضرت حسینؓ کے معاملہ سے فراغت
پا لی گئی تھی۔ ملک رے تو اس نامزد والی یا عامل کا "قرۃ عین" تھا اور اتنا محبوب کہ
"قتل حسینؓ" کا ارتکاب کر کے دوزخ کی آگ میں جلنا منظور، مگر آنکھ کی اس ٹھنڈک
سے آنکھ پھیر لینا اور ترک کر دینا کسی طرح گوارا نہیں، آخر حضرت حسینؓ کے معاملہ سے فراغت
حاصل کر لینے کا کیا صلہ اس نے حاصل کیا یا اسے دیا گیا۔ کسی مورخ یا راوی نے یہ بھی بتایا کہ
جب یہ نامزد عامل و والی چار ہزار کا لشکر جرار لے کر دستبی کے انتظام کو کسی وجہ خاص
سے نہ جا سکا تھا تو اس معاملہ کا آخر کیا انتظام ہوا۔ کب ہوا کیونکر ہوا۔ اور کس ذریعہ
سے ہوا۔ ان امور کے پیش نظر راویوں اور مورخوں کی یہ خاموشی کیا معنی رکھتی ہے اور کیا اس
سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا کہ ابن سعدؓ کے تقرر، فراہمی لشکر، موضع دستبی کے
واقعہ کی یہ روایت محض طبع زاد اور وضعی ہے اور اس روایت کے وضع کرنے کی
جو غرض اور مقصد ہے وہ وہی ہے جس کا اشارہ ابتدائی سطور میں کیا
گیا ہے۔

کردار ابن زیاد

امیر عبیداللہ ابن زیاد باغیان کوفہ کی سرکوبی کی غرض سے
جو کچھ کر رہے تھے وہ امن عامہ کے تحفظ کی خاطر
امیر المومنین کے احکام کی بجا آوری اور اپنے فرائض مفوضہ کی انجام دہی میں کر رہے
تھے۔ حضرت حسینؓ کی ذات یا آپ کے اہل خاندان سے انہیں نہ کوئی ذاتی پرخلش
تھی اور نہ بغض و عداوت، وہ تو ان باپ کے بیٹے تھے جو حضرت علیؓ کے معتمد خاص
اور ایسے وفادار تھے کہ ان کی شہادت کے بعد بھی عرصہ تک ان کے نام لیوا رہے
ابن زیاد کی نیک نیتی کا ثبوت تو ان ہی راویوں کے اس بیان سے ملتا ہے کہ
مسلم بن عقیلؓ نے اپنے آخر وقت جو وصیت ابن سعدؓ کو کی تھی کہ قاصد کے ذریعہ
میرا یہ پیغام حضرت حسینؓ کو پہنچا دینا کہ کوفیوں نے میرے ہاتھ پر ان کی بیعت
کرنے کے بعد بھی بدعہدی اور غداری کی ہے اس لئے ہرگز ادھر کا رخ نہ کریں۔
مکہ معظمہ ہی کو لوٹ جائیں۔ ابن زیاد کو ان سے ذاتی دو مخاصمت ہوتی تو مسلم کا یہ پیغام

ان تک کیوں پہنچنے دیتے۔ انہوں نے تو صاف کہدیا تھا کہ حضرت حسینؓ ادھر نہ آئیں اور
راستہ ہی سے پلٹ جائیں ہمیں ان سے کوئی تعرض نہیں، علاوہ ازیں خود امیر المومنین کے
فرمان میں اس کو صریح ہدایت تھی کہ جنگ وجدل میں اپنی طرف سے سبقت نہ کریں
اور اس وقت تک تلوار نہ اٹھائیں جب تک خود ان کے خلاف تلوار نہ اٹھائی جائے
وہ اس حکم کی خلاف ورزی کی جسارت نہیں کر سکتے تھے۔ یہ چند باتیں تو اس لئے پیش
کی گئیں کہ اس روایت کی رکاکت عیاں ہو جائے ورنہ حسینی قافلہ کا موقعہ واردات
پر وقوعہ سے ایک دن پہلے بھی پہنچ جانا بعد مسافت اور منازل و مراحل کی تعداد
کے اعتبار سے جب محال تھا ممکن الوقوع نہ تھا تو منع آب اور وحشیانہ مظالم
کی یہ سب روایتیں ہباءً منثورا ہو جاتی ہیں تار عنکبوت کی سی سکت بھی ان
میں باقی نہیں رہتی۔

کردار عمر بن سعدؓ

عمر بن سعد بن ابی وقاصؓ کو "قاتل حسین" کہا جاتا
ہے، راویوں کے بیانات کا آزادانہ و مورخانہ
طرز پر تجزیہ کیا جائے تو یہ قول بھی کذب و افترا ہی ثابت ہوگا۔ خود ابو مخنف ہی کی روایت
ہے کہ حضرت حسینؓ اور ابن سعدؓ کے مابین تین چار ملاقاتیں ہوئیں۔ انهما کانا
التقیا مرارا ثلاثا او اربعا حسین وعمر بن سعد (ص۲۳۵ ج طبری)
ان ملاقاتوں کے نتیجہ میں اس خط کا ابن زیاد کے پاس بھیجا جانا بتایا گیا ہے
جس کے ابتدائی الفاظ یہ تھے:۔

فان الله قد اطفاء النائرة و جمع الكلمة واصلح امر الامة۔

خدا نے آتش اختلاف کو بجھا دیا اتحاد و اتفاق پیدا کر دیا اور امت کی اس سے بہتری چاہی۔

(ص۲۳۵ ایضاً)

اس کے بعد وہ تین شرطیں بھی لکھیں جو مورخین نے نقل کی ہیں، گذشتہ اوراق
میں جن کا ذکر آ چکا ہے۔ راویوں نے تو یہاں تک بیان کیا ہے کہ خط پڑھ کر ابن زیاد
کے منہ سے یہ الفاظ نکلے تھے:۔

هذا كتاب رجل ناصح — یہ خط ایک ایسے شخص نے لکھا ہے

لانہ میرہ و مشفق علی قومہ
نعم قد قبلت۔

جو اپنے امیر کا صحیح مشیر ہے اور اپنی قوم کا مشفق ہے ہاں تو میں نے قبول کیا۔

(ص۲۳۶ ج۶ طبری)

راویوں کے اس بیان سے کیا یہ واضح نہیں ہوتا کہ حکومت کے یہ دونوں ذمہ دار افسر معاملہ کو بغیر خونریزی کے صلح و آشتی سے نمٹانا چاہتے تھے۔ دو قوتیں البتہ ان کے مساعی میں حائل اور مزاحم تھیں۔ ایک تو برادرانِ مسلم بن عقیلؓ کا تہیہ کہ وہ اپنے مقتول بھائی کا انتقام لے کر رہیں گے چاہے اس میں انہیں اپنی بھی جانیں دینی پڑیں دوسرے ان کوفی سبائیوں کا رویہ تھا جو کوفہ سے مکہ گئے تھے اور حسینی قافلے کے ساتھ آرہے تھے اپنے مشن کی ناکامی سے ان کی پوزیشن حد درجہ خراب ہو چکی تھی وہ اپنی خیر اسی میں سمجھتے تھے کہ صلح و مصالحت نہ ہونے پائے کیونکہ ان کے لئے اب کوئی اور صورت مفر کی نہ تھی۔ کوفہ جاتے ہیں تو کیفر کردار کو پہنچتے ہیں، دمشق کا رُخ کرتے ہیں تو مستوجب تعزیر۔ انہوں نے اپنے ان پیش رو سبائیوں کی تقلید کرنی چاہی جنہوں نے حضرت علیؓ اور حضرت طلحہؓ و زبیرؓ میں مصالحت ہوتے دیکھ کر آتش جنگ مشتعل کرا دی تھی۔

جنگ جمل تو ان ہی سبائیوں کی ریشہ دوانیوں کا نتیجہ تھی چنانچہ ان کوفیوں کی ساری کوشش اب اسی بات پر تھی کہ حضرت حسینؓ اپنے سابقہ موقف پر قائم رہیں۔ ابو مخنف ہی کی روایت یہ بھی ہے کہ کوفیوں نے جن میں چار نووارد کوفی بھی شامل تھے حضرت موصوف کو یہ ترغیب دینی شروع کی کہ کوہستان آجاء و سلمیٰ پر چل کر ڈیرے ڈالیں، بنی طے کے بیس ہزار سوار اور پیادے بہت جلد مدد اور نصرت کو آموجود ہونگے ان کوفیوں نے اپنے اسلاف کے قصے بیان کرنے شروع کیے کہ ہم لوگ شاہان غسان و حمیر اور نعمان بن منذر سے جن کی حکومت [illegible] کے نواح میں تھی ان ہی پہاڑوں کی پناہ میں محفوظ رہے تھے۔ حکومت وقت کے نمائندوں کو حضرت حسینؓ کے ساتھیوں کے ان عزائم کا حال معلوم ہوکر کہ کوفیوں کا یہ سبائی گروہ اس حالت میں بھی کہ انقلاب حکومت کے بارے میں ان کا سارا پلان اور منصوبہ ہی خاک میں مل چکا تھا مگر ترغیب کی حرکتوں سے باز نہیں آتے ضروری سمجھا گیا کہ ان لوگوں کی ریشہ دوانیوں کا

قطعی طور سے خاتمہ کر دیا جائے، چنانچہ مسئلہ کو آئینی نوعیت دی گئی یعنی عمر بن سعدؒ کی ملاقاتوں کے نتیجے میں حضرت حسینؓ جب آمادہ ہو گئے کہ امیر المومنین سے بیعت کر لیں ان سے مطالبہ ہوا کہ دمشق تشریف لے جانے سے پہلے ہی ان کے نمائندے کے ہاتھ پر یہیں بیعت کریں۔ تمام اقطاع مملکت اسلامی میں عام و خاص حتیٰ کہ صحابہ کرام جیسی بلند و بالا ہستیوں نے اسی طرح عاملان حکومت کے ہاتھ پر امیر المومنین کی بیعت کی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت حسینؓ نے اس طرح بیعت کرنے اور ابن زیاد حاکم کوفہ کا حکم ماننے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا۔ کہ تجھ جیسے شخص کے ہاتھ پر بیعت کر لینے سے بہتر تو موت ہے۔" آپ کا یہ قول اگر صحیح نقل ہوا ہے تو باعث استعجاب ہے کیونکہ آئینی حیثیت سے نمائندے کی حیثیت ذاتی نہیں رہتی۔ امیر کوفہ عبید اللہ کے ہاتھ پر بیعت کرنا خود امیر المومنین کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے مترادف تھا۔ آپ کے اس انکار پر دوسرا مطالبہ بمزید احتیاط یہ ہوا کہ وہ سب آلات حرب اور ہتھیار جو حسینی قافلہ کے ساتھ ہیں نمائندگان حکومت کے حوالے کر دیں تاکہ اس خطرہ کا بھی سدباب ہو جائے جو ان کوفیوں کی ترغیبانہ گفتگوؤں سے پیدا تھا کہ مبادا ان کے اثر میں آکر دمشق جانے کے بارے میں اپنی رائے اسی طرح تبدیل نہ کر دیں جس طرح عامل مدینہ سے یہ فرما دینے کے بعد کہ صبح جب بیعت عامہ کے لئے لوگوں کو بلانا تو ہم بھی موجود ہوں گے، مگر حضرت ابن الزبیرؓ سے گفتگو کے بعد آپ اور وہ دونوں رات ہی میں مکہ معظمہ کو روانہ ہو گئے تھے۔ حکام کوفہ کے اس مطالبہ نے برادران مسلم بن عقیل کو جو پہلے ہی سے جوش انتقام سے مغلوب ہو رہے تھے مشتعل کر دیا نیز ان کوفیوں کو بھی جو حسینی قافلہ میں شامل تھے اور جنہیں صلح و مصالحت میں اپنی موت نظر آرہی تھی یہ موقعہ ہاتھ آگیا۔ انہوں نے اپنے پیش رووں کی تقلید میں جنہوں نے جمل کی ہوتی ہوئی صلح کو جنگ میں بدل دیا تھا اس اشتعال کو اس شدت سے بھڑکا دیا کہ انتہائی عاقبت نااندیشی سے فوجی دستہ کے سپاہیوں پر جو ہتھیار رکھوانے کی غرض سے گھیرا ڈالے ہوئے تھے اچانک قاتلانہ حملہ کر دیا گیا۔ آزاد محققین و مستشرقین نے بے لاگ تحقیق سے اسی بات کا اظہار کیا ہے کہ حکومت کے فوجیوں پر اس طرح اچانک حملہ سے یہ حادثہ حزن انگیز پیش آگیا انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مقالہ نویس نے کہا ہے کہ :-

گورنر (کوفہ) عبیداللہ بن زیاد کو یزید نے حکم دیا تھا کہ (حسینی قافلہ) کے
ہتھیار لے لینے کی تدابیر کرے اور (صوبہ) عراق میں ان کے داخل ہونے اور
جھگڑا اور انتشار پھیلانے سے باز رکھے۔ کوفہ کے شیعان علی میں سے
کوئی بھی (مدد کو) کھڑا نہ ہوا حسین اور ان کے مٹھی بھر متبعین نے اپنے
سے بدرجہا طاقتور فوجی دستہ پر جو ان سے ہتھیار رکھوا لینے کو بھیجا گیا
تھا غیر مآل اندیشانہ طور سے حملہ کر دیا۔

(صفحہ ۱۱۶۳)

عمر بن سعدؓ امیر عسکر نے جیسا وضعی روایتوں میں متہم کیا گیا ہے کوئی جارحانہ اقدام
مطلق نہیں کیا تھا۔ ان کے زیر ہدایت فوجی دستہ کے سپاہی مدافعانہ پہلو اختیار کئے
رہے۔ یہ منظر کیا ہی دردناک تھا کہ گفتگوئے مصالحت یکایک جدال وقتال میں بدل
گئی۔ حضرت حسینؓ اور ان کے عزیزوں کی قیمتی جانوں کے یوں ضائع ہوجانے کا تصور
تو آج بھی ہمارے دلوں میں حزن وملال کے تاثرات پیدا کر دیتا ہے چہ جائیکہ جس
کسی کی آنکھوں دیکھا یہ حادثہ ہو۔ عمر بن سعدؓ کو "قاتل حسین" کہتے ہیں لیکن ان ہی راویوں
خاص کر ابو مخنف نے اپنی ایک روایت میں گویا حق برزبان جاری یہ بھی فرمایا ہے کہ حضرت
حسینؓ کے مقتول ہوجانے پر ابن سعدؓ پر رنج اور صدمہ سے ایسی رقت طاری ہوئی کہ
بے اختیار ہوکر زار وقطار رونے لگے ان کے رخسار اور داڑھی آنسوؤں سے تربتر ہوگئی
ابو مخنف کی اس روایت میں یہ فقرہ ہے۔

قال فکانی انظر الی دموع عمر (بن سعد) وھی تسیل علی خدیہ ولحیتہ

(صفحہ ۲۵۹ ج ۶ طبری)

(راوی نے) کہا گویا میں نے عمر (بن سعد) کے آنسوؤں کو دیکھا کہ (بسبب گریہ) ان کے رخساروں اور داڑھی پر بہنے لگے تھے۔

اس قدر قلق اور صدمہ ابن سعدؓ کو کیوں نہ ہوتا حسینؓ سے قرابت قریبہ کے علاوہ
انہوں نے مفاد ملت کی خاطر بہتری کی کوشش کی کہ خون خرابہ نہ ہونے پائے مگر بھائیوں
کی دراندازی سے ان کی مساعی ناکام ہوگئیں لیکن تلوار چل جانے پر بھی اپنے سپاہیوں
کو مدافعت ہی کے پہلو پر قائم رکھا۔ جس کا بین ثبوت خود ان ہی راویوں کے بیان سے
ملتا ہے جہاں انہوں نے طرفین کے مقتولین کی تعداد بیان کی ہے کہ حسینی قافلے کے بہتر

مقتول ہوئے جن میں اکثر و بیشتر جنگ آزمودہ نہ تھے اور فوجی دستے کے جنگ آزمودہ
سپاہی اٹھاسی مارے گئے گویا سولہ فوجی زیادہ کٹوا کر بھی وہ حضرت حسینؓ کی جان بچانے
میں کامیاب نہ ہوسکے اور زار وقطار رونے لگے۔ پھر انہوں نے حضرت حسینؓ کے اہل خاندان
کو ان کی بیبیوں کنیزوں اور دوسری خواتین خاندانِ نبوت کو عزت وحرمت کے ساتھ پردہ
دار محملوں میں سوار کرا کے روانہ کیا۔ قدیم ترین مورخ (صاحب اخبار الطوال) لکھتے ہیں۔

وامر عمر بن سعد بحمل نساء الحسینؓ واخواتہ وجواریہ وحشمہ فی المحامل المستورۃ علی الابل۔

اور عمر بن سعد نے حکم دیا کہ حسینؓ کی (۱) بیبیوں، بہنوں، کنیزوں اور خاندان کی دیگر خواتین کو پردہ دار محملوں میں اونٹوں پر سوار کرا کے لے جایا جائے۔

(صفحہ ۲۷ سطر ۱۱۔ اخبار الطوال)

دلندیزی محقق (دے خوے) نے صحیح کہا ہے کہ جب اس حادثہ کے بیانات
نے افسانہ کی سی نوعیت اختیار کر لی ابن سعدؓ کو بھی قاتل کہا جانے لگا اسی غرض سے یہ
چند امور پیش کئے گئے کہ ایک طرف تو یہ راوی بیان کرتے ہیں کہ "قتل حسینؓ پر ایسا
رنج وقلق ہوتا ہے کہ زار وقطار رونے لگتے ہیں رخسار اور داڑھی آنسوؤں سے تر
ہوجاتی ہے۔ خواتین اور پس ماندگان کو عزت وحرمت سے سوار کرا کے بھیجتے
ہیں۔

دوسری طرف یہی راوی وہ بھیانک تصویر ان کے وحشیانہ مظالم کی کھینچتے ہیں
جن کے تصور سے بھی دل لرز جاتا ہے مگر ان حقائق کو جب پیش نظر رکھا جائے جو
جو بعد مسافت (مکہ وکربلا)، تعداد منازل ومراحل روانگی کی صحیح تاریخ کربلاء کے
محل وقوع وغیرہ کے بارے میں مستند کتب جغرافیہ وبلدان وغیرہ کے حوالجات
سے پیش کئے گئے ہیں تو یہ سب وضعی روایات، اختراعی داستانیں اور مبالغات
ہباءً منثوراً ہوجاتے ہیں اور عمر بن سعدؓ کا کردار ویسا ہی بے داغ ثابت ہوتا ہے
جیسا ان جیسے ثقہ وبلند پایہ تابعی کے حالات سے توقع کی جاسکتی ہے۔ طبقات ابن
سعد میں بذیل الطبقہ الاولیٰ من اھل المدینۃ من التابعین تابعین کے زمرہ میں
ان کا ذکر ہے اور شیخ الاسلام ابن حجرؒ عسقلانی نے تہذیب التہذیب میں مندرجہ ذیل

جو صریحاً اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے معاصرین ان کو متہم نہیں سمجھتے تھے مثلاً ابو اسحٰق[1] عمرو بن عبد اللہ السبیعی متوفی ۱۲۷ھ بعمر ۹۵ سال وقتادہ بن دعامہ سدوسی و محمد بن مسلم الزہری وغیرہم۔ خالی راویوں کے پروپیگنڈے کے تاشات ہی کی شاید وجہ تھی کہ بعض لوگوں نے ان کے مولود عہد النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہونے کے بارے میں بھی شبہات کا اظہار کیا تھا۔

محدث ابو بکر[2] بن فتحون مالکی کی روایت سے اس شبہ کا ازالہ ہو جاتا ہے۔ یہ بزرگوار محدثین کی اس جماعت میں شامل تھے جس نے صحابہ کرام کے حالات کی معتبر کتاب الاستیعاب کا ذیل لکھا تھا چنانچہ وہ ابن اسحاق کی سند سے یہ روایت لکھتے ہیں کہ عمر بن سعدؓ عہد فاروقی کے مجاہدین میں کب اور کیونکر شامل ہوئے تھے۔

قال کتب عمر بن الخطاب الی سعد بن ابی وقاص ان اللہ فتح الشام والعراق فابعث من قبلک جنداً الی الجزیرۃ فبعث جیشاً مع عیاض بن غنم و بعث معہ عمر بن سعد وھو غلام حدیث السن مکنار واہ لیعقوب بن سفیان والطبری من طریق سلمہ بن الفضل عن اسحٰق وکان ذالک لم عشرۃ قال ابن فتحون من کان فی ھذا السنۃ بعث

راوی نے بیان کیا کہ (حضرت) عمر بن الخطابؓ نے (حضرت) سعد بن ابی وقاصؓ کو ایک مکتوب بھیجا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے شام و عراق پر مسلمانوں کو فتح یاب کیا تو اب تم الجزیرہ پر لشکر کشی کرو۔ چنانچہ (ابن سعدؓ) نے عیاض بن غنم کی سرکردگی میں لشکر غازیان بھیجا اور ان کے ساتھ (اپنے فرزند) عمر بن سعد کو بھی بھیجا جو اس وقت نو عمر تھے۔ اسی کو یعقوب بن سفیان اور طبری نے بھی سلمہ بن فضل سے اور انہوں نے ابن اسحاق

---

[1] یہ ابو اسحاق شیعہ اولیٰ میں ہیں اور روافض سے بیزار۔

[2] سخاوی نے اپنی تالیف الاعلام بالتوبیخ لمن ذم التاریخ (مطبوعہ دمشق ۱۳۴۹ھ) میں بتایا ہے کہ جس جماعت محدثین نے الاستیعاب کے ذیل کی تدوین کی تھی ان میں ابی اسحاق بن الامین اور ابی بکر بن فتحون شامل تھے جو دونوں ہمعصر تھے اور ان دونوں میں باعتبار فضیلت علمی ابن فتحون برتر تھے (وھما متعاصران وثانیھما احسنہما) کشف الظنون میں ابو بکر بن فتحون کو مالکی مسلک کا بتایا ہے۔

عبارت میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا ہے کہ کیسے کیسے لوگوں نے ان سے حدیث کی روایت کی ہے وہ لکھتے ہیں:۔

عمر بن سعد بن ابی وقاص الزہری ابو حفص المدنی سکن الکوفۃ روی عن ابیہ وابی سعید الخدری وعنہ ابنہ ابراہیم وابن ابنہ ابو بکر بن حفص وابو اسحاق السبیعی و العیزار بن حریث ویزید بن ابی مریم وقتادہ والزہری ویزید بن ابی حبیب وغیرھم وقال العجلی کان یروی عن ابیہ احادیث وھو تابعی ثقہ۔ (ص ۴۵۰ ج ۷ تہذیب التہذیب)

عمر بن سعد بن ابی وقاص الزہری ابو حفص المدنی ساکن کوفہ۔ انہوں نے اپنے والد ماجد اور ابو سعید الخدری سے حدیث کی روایت کی ہے اور ان سے ان کے فرزند ابراہیم اور ان کے پوتے ابو بکر بن حفص نے نیز ابو اسحٰق السبیعی اور العیزار بن حریث و یزید بن ابی مریم و قتادہ و الزہری و یزید بن ابی حبیب وغیرہ نے اور محدث العجلی فرماتے ہیں کہ (عمر بن سعدؓ) نے اپنے والد سے احادیث کی روایت کی ہے اور ان سے بہت سے لوگوں نے اور وہ خود ثقہ تابعی تھے۔

عمر بن سعدؓ کو قتل حسینؓ سے جب متہم کیا جانے لگا متاخرین میں سے بعض کو ان کی مرویات احادیث لینے میں تامل ہوا۔ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ وہ فی نفسہٖ تو غیر متہم تھے، لیکن قتال الحسین علیہ السلام میں حصہ لیا تھا اس لئے وہ کیسے ثقہ سمجھے جائیں (میزان الاعتدال ج ۲ ص ۲۵۰) علامہ ذہبی کا زمانہ ان کے زمانہ سے تقریباً سات سو برس بعد کا زمانہ ہے جب ابو مخنف وغیرہ کی روایتوں کی اشاعت سے حادثہ کربلا کی صورت کا ذہن عام طور سے لوگوں کے ذہن نشین ہو چکی تھی اور کسی مورخ کو ان وضعی روایات کی تنقید کرنے کی توفیق نہیں ہوئی تھی جو صحیح حالات کا انکشاف ہو جاتا۔ ابن خلدون کی کتاب کے دو تین ورق جو حادثہ کربلا کے بارے میں تھے ایسے غائب ہوئے کہ تقریباً پانچسو برس کی مدت گذر جانے پر بھی آج تک کسی کو دستیاب نہ ہو سکے بایں ہمہ عمر بن سعدؓ سے حدیث روایت کرنے والوں میں ان کے بیٹے پوتے کے علاوہ زمرۂ تابعین کے جن راویان حدیث کے نام شیخ الاسلام ابن حجر نے مندرجہ بالا عبارت میں درج کئے ہیں، ان میں مشہور تابعی محدثین شامل ہیں۔

فی الجیوش فقد کان لا محالة مولوداً فی عهد النبی صلی الله علیه وسلم قال ابن عساکر هذا ایدل انه ولد فی عهد النبی صلی الله علیه وسلم الی آخرہ ۔

سے روایت کیا ہے۔ یہ واقعہ ۱۹ھ کا ہے۔ ابن فتحون اس پر کہتے ہیں کہ جس فرد کو اس سنہ میں فوج میں شامل کرکے بھیجا گیا ہو وہ لامحالہ عہد نبی صلعم کا مولود ہوگا۔ ابن عساکر بھی یہی کہتے ہیں یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ (عمر بن سعدؓ) عہد نبوی میں پیدا ہوئے تھے۔

(ص۱۱۲ ج۳ الاصابہ فی تمیز الصحابہ مطبوعہ مصر)

صحیحین کی ایک حدیث میں البتہ یہ بیان ہے کہ حضرت سعدؓ خلیل تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب عیادت کو تشریف لے گئے انہوں نے آپ سے عرض کیا میں مالدار ہوں سوائے ایک بیٹی کے میرے مال کا کوئی وارث نہ ہوگا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ واقعہ یا توحجۃ الوداع کے وقت کا ہے یا فتح مکہ کے زمانہ کا۔ اس سے بعض لوگ یہ مطلب نکالتے ہیں کہ عمر بن سعد کی ولادت عہد نبوی میں نہیں ہوئی تھی کسی نے تو یہ بھی کہہ دیا کہ عہد نبوی کے نہیں عہد فاروقی کے مولود تھے۔ یہ حدیث ہی اول تو محل نظر ہے عہد نبوی میں حضرت سعدؓ ایسے مالدار کہاں تھے پھر اگر یہ واقعہ فتح مکہ کے زمانہ کا ہے اور یہ ثابت ہے کہ عمر بن سعدؓ اپنے باپ کے بڑے بیٹے تھے تو کیا تعجب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے ان کا یہ بیٹا تولد ہو کر وراثت مال کا حقدار بنا ہو قطع نظر اس کے جب ان کے پوتے ابوبکر بن حفص بن عمر سعدؓ اپنے دادا سے حدیث کی روایت کرتے ہیں۔ جیسا شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی نے تصریح کی ہے تو یہ بین دلیل ہے اس امر کی کہ حضرت عمر بن سعدؓ نہ صرف عہد نبوی کے مولود تھے بلکہ آپ کی وفات کے وقت ان کی عمر اقل درجہ پر پانچ چھ برس کی ہوگی کیونکہ جو پوتا اپنے دادا سے حدیث کی روایت کرسکتا ہو پندرہ بیس برس کا تو یقیناً ہوگا۔ پوتے کی عمر اتنی ہو تو دادا کا سن کم ازکم ساٹھ برس کا ماننا پڑے گا۔ اس اعتبار سے حضرت عمر بن سعدؓ اور حضرت حسین بن علیؓ دونوں ہم سن قرار پاتے ہیں۔ ایک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں کے بیٹے اور دوسرے آپ کی بیٹی کے بیٹے۔ اس قرابت قریبہ کے ہوتے ہوئے کیا ان شدید اتہامات سے حضرت عمر بن سعد کو کسی طرح بھی متہم کیا جاسکتا ہے جو "قتل حسین" کے متعلق ان پر لگائے گئے ہیں کفر و زندہ کا

الزام تو ان راویوں میں سے کسی نے بھی ان پر عاید نہیں کیا تو پھر یہ بات کیونکر قابل قیاس ہوسکتی ہے کہ جس رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کلمہ پڑھتے ہوں، نمازوں میں جس (صلی اللہ علیہ وسلم) پر درود بھیجتے ہوں۔ جس ذات اقدس سے یہ قرابت قریبہ ہو کہ ان کی دختر۔ حضرت فاطمہ زہراؓ۔ رشتہ میں ان کی پھوپھی کی پوتی اور خود ان کی بھتیجی بھی ہوتی ہوں۔ ان ہی کے فرزند دلبند حضرت حسینؓ کو جو رشتہ میں ان کے نواسہ ہوں، ان کو طرح طرح کے وحشیانہ ظلم سے قتل کریں یا اپنے فوجی درندوں سے قتل کرائیں اور یہ سب کچھ محض ایک علاقہ کی حکومت ملنے کے لالچ میں !!

ان وضاعین نے خاص مقصد کے پیش نظر خیالی مظالم کی یوں تو بھیانک تصویریں کھینچنے میں کوتاہی نہیں کی مگر عمر بن سعدؓ کی حسینؓ سے قرابت قریبہ کا خیال کرکے ساتھ ہی یہ بھی کہتے جاتے ہیں کہ حسینؓ سے مقاتلت کرنے میں ان کو شدید کراہت تھی اور اس فعل کے ارتکاب کو وہ دین و دنیا میں "مطرود و ملعون" ہوجانے کے مرادف سمجھتے تھے۔ صاحب ناسخ التواریخ فرماتے ہیں:۔

چوں عمر بن سعد از مقاتلت حسین کراہتے بکمال داشت ۔۔۔۔

چونکہ عمر بن سعد کو حسینؓ سے قتال کرنے میں کمال درجہ کراہت تھی ۔۔۔

(ص۲۳۴ ج۲ از کتاب دوئم)

دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے:۔

اما عمر بن سعد چونکہ مکروہ میداشت کہ با حسین مقاتلت آغاز و خود را مطرود ملعون دارین سازد ۔۔

لیکن عمر بن سعد چونکہ حسینؓ سے قتال و جدال کا آغاز کرنے اور اس طرح دین و دنیا میں اپنے کو مطرود و ملعون بنانے کو مکروہ سمجھتے تھے۔

(ص۲۳۶ ایضاً)

واقعات سے ثابت ہے کہ قتال و جدال کو مکروہ ہی نہیں جانتے تھے بلکہ برابر کوشش کرتے رہے کہ معاملہ آشتی سے سمجھ جائے اور وہ تنہا ہی اس کے کوشاں نہ تھے بلکہ عامل صوبہ اور دوسرے افسروں کی بھی عملاً یہ کوشش رہی کہ جنگ کی نوبت نہ آئے خود امیر المومنین کی اپنے اس عامل کو جنہیں خاص طور سے کوفیوں کی بغاوت فرد کرنے پر مامور کیا تھا۔ صریح ہدایت تھی کہ اپنی جانب سے کوئی پہل نہ کریں اور

اس وقت تک تلوار نیام میں رکھیں جب تک ان کے خلاف تلوار نہ اٹھے سپہ سالار فوج عمر بن سعدؓ کا رویہ نازک موقع آجانے پر بھی وہی مخلصانہ و ہمدردانہ رہا۔ حتیٰ کہ جب ان کے سپاہیوں پر جو ہتھیار رکھوانے کو گھیرا ڈالے کھڑے تھے۔ اچانک قاتلانہ حملہ کر دیا گیا، انہوں نے اپنے سپاہیوں کو جوابی حملہ یا جارحانہ اقدام سے روکے رکھا، مدافعانہ پہلو سے آگے نہ بڑھنے دیا جس کا بیّن ثبوت جیسا ابھی ذکر ہوا ان راویوں کے اس قول سے ملتا ہے کہ ماہر حرب اور جنگ آزمودہ سپاہیوں میں ۱۶ جوان حسینی قافلے کے مقابلے میں زیادہ مارے گئے اور وہ بھی ان کے ہاتھوں جنہیں نبرد آزمائی اور تیغ زنی کا فوجیوں کی طرح نہ کوئی تجربہ تھا نہ ایسی مہارت۔ سرکاری فوجی دستہ کے سپاہیوں پر ساتھ بیٹھے کوفیوں اور برادرانِ مسلم کا یہ قاتلانہ حملہ بالکل غیر متوقع، دفعتہً اس تیزی سے ہوا کہ بیچ بچاؤ کی لوبت نہ آنے پائی۔

عمر بن سعدؓ اس موقع پر اس سے بھی زیادہ بے بس ہو گئے۔ جیسے جنگ جمل کے موقع پر حضرت علیؓ تھے کہ قرآن دکھا دکھا کر فریقین کو برادرکشی سے روکتے رہے مگر بے سود۔ ابو مخنف وغیرہ راویوں نے جنگ جمل کے حالات جس مبالغہ کے ساتھ بیان کئے ہیں اس سے بدرجہا زیادہ اغراق و مبالغہ کے ساتھ کربلا کے حالات ہیں خصوصًا نبرد آزمائیوں کی جو تفصیلات بیان کی ہیں واقعات سے ان کی ہرگز تصدیق نہیں ہوتی، یہ روائیتیں محض وضعی و اختراعی ہیں اور پایہ اعتبار سے قطعاً ساقط" بالخصوص حضرت عمر بن سعدؓ کے کردار پر قبیح سے قبیح اتہامات لگائے ہیں اور سرکاری فوج کا شمار تو افسانوں کے مبالغات سے بھی بڑھ چڑھ کر بتایا ہے۔ مثلاً چھ لاکھ سواروں اور دو کروڑ پیادوں سے لے کر بیس ہزار تک مختلف راویوں نے تعداد بیان کی ہے ابو مخنف نے اسّی ہزار اور ناسخ التواریخ کے مؤلف نے ۵۳ ہزار تعداد بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ:-

علمائے اخبار و مورخین آثار ورشمار لشکرے کہ از برائے مقاتلت باحسین انجمن شدند باختلاف سخن کردہ اند

این جملہ را من بندہ یاد کردم و با سپاہ عمر بن سعد بشمار آوردم پنجاہ و سہ ہزار در قلم آمد۔

(ص ۲۳۶ ج ۶ از کتاب دویم)

علمائے اخبار اور مورخین آثار نے اس لشکر کی تعداد کے بارے میں جو حسین سے قتال وجدال کرنے کے لئے جمع ہوا تھا مختلف باتیں کہی ہیں ان سب کو مجھ بندہ نے خیال میں رکھ کر اور عمر بن سعد کی سپاہ کا اس کے ساتھ شمار کر کے ۵۳ ہزار تعداد قلمبند کی ہے۔

ان ہی مؤلف نے ابو مخنف کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ اس اسی ہزار میں حجاز و شام کا ایک متنفس بھی شامل نہ تھا سب کے سب کوفی ہی تھے۔

ہمگان کوفی بودند و حجازی و شامی بایشاں نبود (ص ۲۴۱ ایضاً) یہ جناب تو خود کوفہ ہی کے ساکن تھے انہیں اپنے وطن مالوف کی آبادی کا صحیح اندازہ ہونا چاہیے تھا مگر ان کو تو داستان ائی کرنی تھی نہ صدق بیانی۔ اور اگر شہر کوفہ کے علاوہ علاقہ کوفہ کے تیغ زن باشندوں کا شمار بھی اس تعداد میں شامل تھا۔ تب بھی اس علاقہ سے اتنی کثیر تعداد میں فوج و سپاہ کسی طرح فراہم نہیں ہو سکتی تھی اس زمانہ میں تمام ایران و خراسان کے علاقے کوفہ کے تحت نہیں تھے جیسا حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے عہد میں اس وقت تک رہے جب امیر زیاد کا زمانہ تولیت تھا ۵۴ھ کے بعد سے خراسان کا جداگانہ صوبہ بن گیا تھا جس میں ہمدان درے وغیرہ کے علاقے تھے چنانچہ امیر المومنین یزیدؒ کے عہد خلافت میں جیسا ذکر ہوا خراسان کے عاملوں کے تبادلہ و تقرر کا از سر نو انتظام کیا گیا۔

بہر کیف اگر ایران کے سب علاقہ جات کوفہ ہی کے تحت تسلیم کر لئے جائیں تب بھی پچیس تیس دن کے قلیل عرصہ میں کہ یہی مدت حادثہ کربلا کے وقت تک عبیداللہ کے کوفہ آنے اور انتظام کی باگ سنبھالنے کی ہوتی ہے۔ اتنی زبردست اور کثیر افواج کا فراہم ہو جانا قطعاً محال اور ناممکن تھا۔ اسّی ہزار فوجی اور ان کے متعلقہ دیگر عملے کے لوگوں کو شامل کر کے ایک لاکھ نفوس کے لئے سامان رسد وغیرہ سواری کے جانوروں کے دانہ چارہ کے اتنے عرصہ میں کوفہ یا کربلا جیسے مقام پر مہیا کر لینا نہ صرف الحصول تھا بلکہ ناممکن علمائے اخبار و مورخین آثار نے یہ نہ بتایا کہ یہ سب کچھ اہتمام اور یہ لشکر مور شمار آخر کیوں۔ کس غرض سے اور کس کے مقابلے کے لئے تھا؟ کیا صرف ۷۲ یا سو سوا سو افراد سے نبرد آزمائی کے لیے جن میں متعدد نوعمر تھے اور جدال و قتال

سے ناآشنا و ناتجربہ کار۔ یہ خیال ان وضاعین کو کیوں آتا کو ان کی ان ساختگیوں کو کبھی نہ کبھی تو فہم و دانش انسانی کی میزان سے جانچنے کی نوبت آئے گی ان کو تو امیر المومنین یزیدؒ ان کے عمال خلافت اور خاندان بنی امیہ کے خیالی ظلم و ستم کی وضعی داستانیں بیان کرنی اور غرضی معرکہ آرائیوں کے سلسلہ میں اس قسم کے عجوبات پیش کرتے تھے مثلاً یہ کہ:-

بالجملہ (حسین) میزد و میکشت دمی افگند و لشکر از پیش روئے او چوں گورخر از شیر و گلہ از گرگ می رمیدند و در پہن دشت حرب گاہ می پراگندند تا ایں وقت بہ روایت ایں شہر آشوب و محمد بن ابی طالب ہزار و صد و پنجاہ کس از آں کفار را بیرون زخمداران با تیغ درگذانید (ص ۲۹۹ ج ۲ از کتاب دوم)

خلاصہ یہ کہ (حسین) عمر بن سعد کے لشکریوں کو تلواریں مارتے، قتل کرتے۔ اٹھا پھینکتے تھے اور لشکری ان کے سامنے سے اس طرح بھاگتے تھے جیسے شیر کے سامنے سے گورخر اور بھیڑیئے سے بھیڑوں کا گلہ بھاگ جاتا ہے اور یہ سب لشکری میدانِ جنگ میں پراگندہ و منتشر ہو گئے اور اس وقت تک بہ روایت ابن شہر آشوب و محمد بن ابی طالب ایک ہزار نوسو پچاس نفر ان کفار میں سے علاوہ زخمیوں کے تلوار کے گھاٹ اتار دیئے۔

مقتل ابو مخنف میں بھی یہ روایت ہے کہ پہلے ہی حملہ میں حضرت حسینؓ نے ایک ہزار نوسو ۱۹۰۰ سواروں کو قتل کر ڈالا تھا پھر جب میدان رزم سے پلٹ کر خیمہ کی جانب آئے کلام منظوم زبان سے ادا کر رہے تھے، دو چار نہیں اکھٹے ۳۵ شعر اسی وقت کہہ ڈالے تھے جو ابو مخنف نے درج کئے ہیں۔ نمونہ ملاحظہ ہو:

لعلّی الطہر من بعد النبی	والنبی الھاشمی الوالدین
خیرۃ اللہ من الخلق ابی	بعد جدّی فانا ابن الخیرتین
والدی شمس و امی قمر	فانا الکوکب وابن القمرین
امی الزاھرا ء حقاً و ابی	وارث العلم ومولی الثقلین

بھلا ان حسبی و نسبی تعلیوں کے اظہار کا کہ میرے ماں باپ شمس و قمر ہیں اور میں چاند سورج کا بیٹا اور چمکدار ستارہ ہوں اس وقت موقعہ ہی کیا تھا حاشا

جنابہ! یہ سب تو سبائی راویوں کی اپنی اختراعات ہیں یہی راوی کہتے ہیں کہ ذرا دم لیکر پھر جو دوسرا حملہ کیا خلق کثیر کو قتل کر ڈالا "قتل منھم خلقاً کثیراً" (ص ۸۹)

ابو مخنف نے مقتولین کی تعداد تو نہیں بتائی مولف "مجاہد اعظم" نے آپ کے اور آپ کے رفقا کے ہاتھ سے مقتولین کی تعداد کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "حضرت نے متواتر کئی حملے کئے اور ہر حملہ میں دس دس ہزار لاشیں بچھا دیں بھلا اس مبالغہ کا کیا ٹھکانا ہے" پھر کہتے ہیں کہ "اسرار شہادت میں یہ بھی لکھتے ہیں کہ حضرت کے ہاتھ سے تین لاکھ، حضرت عباس کے ہاتھ سے ۲۵ ہزار دوسروں کے ہاتھ سے ۲۵ ہزار اس طرح کل ساڑھے تین لاکھ کوفی قتل ہوئے" (ص ۲۶۶)

یہ لغو بیانیاں ہی اس کا ثبوت ہیں کہ معرکہ آرائیوں کے سارے قصے عجمی ذہنیت کے تراشیدہ ہیں۔ اسی کے ساتھ یہ راوی بیان کرتے ہیں کہ چاروں طرف سے جب تیر باری ہوتے سے حضرت حسینؓ کے تیر لگا بے ہوش ہو کر گر پڑے ہوش آیا تو ضعف سے اٹھا نہ گیا" دہاڑیں مار کر بین اور فریاد کرنے لگے" فبکی ایکاء شدیداً ونادیٰ (ص ۸۹) ابو مخنف نے بین و فریاد کے یہ کلمات حضرت حسینؓ کی زبان سے ادا کرائے ہیں:-

واجدّاہ، وامحمداہ، واابتاہ واعلیاہ، واخاہ، واحسناہ واغربتاہ، واعطشاہ، وغوثاہ واقلۃ ناصراہ، اقتل مظلوماً وجدی مصطفیٰ، واذبح عطشاناً وابی علی المرتضیٰ اترک مھتوکاً وامی فاطمۃ الزہرا۔

(ابی مخنف مطبوعہ نجف ص ۸۹)

ہائے نانا، وائے محمد، ہائے ابا، ہائے علی، ہائے بھیا، وائے حسن، ہائے غریب الوطنی وائے شدت پیاس، ہائے مدد، وائے مددگاروں کی قلت، ہائے مظلوم قتل ہوتا ہوں (حالانکہ) میرے نانا مصطفیٰ ہیں ہائے پیاسا ذبح ہوتا ہوں (حالانکہ) میرے باپ علی مرتضیٰ ہیں۔ ہائے مردہ پھینکے جاتے ہیں (حالانکہ) میری ماں فاطمہ زہرا ہیں۔

معاذ اللہ! ثم معاذ اللہ! حضرت حسینؓ جیسے غیور مرد مومن سے کیا لغو کلمات منسوب کئے ہیں۔

کسی عرب خصوصاً قریشی و ہاشمی کی زبان سے مرتے وقت ایسے کلمات ادا نہیں ہو سکتے یہ بین وواویلا خاص عجمی ذہنیت ہے اور اسی ذہنیت نے مصنوعی معرکہ آرائیوں کے یہ جھوٹے قصے گھڑے ہیں۔ اب ذرا ناسخ التواریخ کی مندرجہ بالا روایت کو جس میں کم سے کم مقدار حضرت حسینؓ کے ہاتھوں ایک ہی حملے میں لشکریانِ ابن سعدؓ کے مارے جانے کی بیان ہوئی ہے جانچ کر دیکھیئے۔

عمر بن سعدؓ اور ان کے لشکریوں کے مسلمان ہونے سے تو کسی نے انکار نہیں کیا۔ راویوں کے فرمانے سے زمرہ "کفار" میں ان کو شامل سمجھیں تو ایک ایک لشکری سے نبرد آزما ہونے، قتل کرنے، بچھاڑنے میں فی کس کم از کم ایک ہی منٹ کے حساب سے (۱۹۵۰) لشکریوں کے لئے حضرت موصوف کو ساڑھے بتیس گھنٹے تک بلا توقف مسلسل قتال کرنے میں لگنے چاہئیں یعنی پورا دن پوری رات گذرنے کے بعد بھی دوسرے دن کے ساڑھے آٹھ گھنٹے مزید حالانکہ طبری و دیگر تمام مورخین نے ابو مخنف وغیرہ کی روایتوں کے مطابق بیان کیا ہے کہ یہ حادثہ بس اتنی دیر میں ختم ہو گیا تھا جتنی دیر قیلولہ میں آنکھ جھپک جائے۔ یعنی کم و بیش آدھ گھنٹے میں اس کی تائید مزید ان راویوں کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے کہ فریقین کے مقتولین کی تعداد ۷۲ اور ۸۸ تھی، قطع نظر اختلاف بیانی کے جب بُعد مسافت و تعداد منازل کے اعتبار سے حسینی قافلہ موقع واردات پر ایک دن قبل بھی نہیں پہنچ سکتا تھا۔ تو جمع جیوش اور نبرد آزمائیوں کی یہ سب داستانیں قطعاً و اور بے حقیقت اور بے اصل قرار پاتی ہیں۔ برادران مسلم اور ساٹھ بینسٹھ کوفیوں کا فوجی دستہ کے سپاہیوں پر عاقبت نا اندیشانہ اچانک قاتلانہ حملہ کر دینے سے یہ واقعہ حزن انگیز یکایک اور غیر متوقع پیش آکر گھنٹہ آدھ گھنٹہ میں ختم ہو گیا تھا۔

ان راویوں کا ایک طرف تو بیان یہ ہے کہ عمر بن سعدؓ نے خواتین اور ان کے خیموں کو تاراج نہ ہونے دیا۔ نابالغوں کو اور علی بن الحسین (زین العابدینؒ) کو یہ کہہ کر کہ اس مریض "لڑکے" سے کوئی تعرض نہ کرے قتل ہونے سے بچا لیا حالانکہ وہ اس وقت ۲۳ برس کے سن وسال کے صاحب اولاد تھے اور دوسری طرف ان ہی ابن سعدؓ پر بہتان باندھا ہے کہ حضرت حسینؓ کی نعش کی اس درجہ بے حرمتی کی کہ دس سواروں کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کرا کے سینہ اور پشت کو چور چور کرا دیا اور پھر ان حرکات شنیعہ کی "خوشخبری" سنانے کو

ایک آدمی اپنے اہل وعیال کے پاس بھیجا کہ اللہ نے فتح مند کیا" لابشرھم بفتح اللہ علیہ زمنہ ۲۶۲ ج طبری) حضرت عمر بن سعدؓ کی اہلیہ مریم بنت عامر بن ابی وقاصؓ تھیں یعنی ان کے چچا عامرؓ کی صاحبزادی تھیں اور حضرت عامرؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے ماموں سابقون الاولون میں سے اور ایمان لانے والوں میں سے گیارھویں تھے اور وہ صحابی تھے جنہوں نے حضرت جعفر طیارؓ کے ساتھ حبشہ کو ہجرت کی تھی ان ہی کے ساتھ مدینہ واپس آئے اور حضرت مریم ایسے جلیل القدر صحابی کی دختر زوجہ حضرت عمر بن سعدؓ تھیں جن کو یہ "خوشخبری" پہنچانے کے لئے یہ مکذوبہ روایت وضع ہوئی۔ ان وضاعین کو صحابہ کرام اور ان کی اولاد سے جو تابعین کے زمرہ میں شامل ہیں جو بغض ہے وہ اس قسم کے بہتان تراشیوں سے ظاہر ہے۔ خود حضرت عمر بن سعدؓ عہد خلافت فاروقی کے غازیوں میں سے تھے اور حضرت فاروق اعظمؓ سے اس درجہ عقیدت تھی کہ منجملہ اپنی بائیس اولادوں یعنی ۱۳ بیٹوں اور ۹ بیٹیوں کے دو بیٹیوں کے نام حضرت موصوف کی دختر ام المومنین حفصہؓ کے نام پر حفصہ کبریٰ اور حفصہ صغریٰ رکھے اور ایک بیٹے کو ابو حفص سے موسوم کیا۔ شاید ان کے نام "عمر" کی مماثلت کا کوئی شائبہ اور اثر ان بہتانوں کی قباحت اور شدت کا موجب بنا ہو ان تمام مبالغات اور وضعی واختراعی داستانوں کی پوری تکذیب حضرت علی بن الحسینؒ اور آپ کے اہل خاندان کے موقف اور ان مسلسل قرابتوں سے ہو جاتی ہے جو خاندان امیر المومنین یزیدؒ اور بنی امیہ سے بعد واقعہ کربلا ہوتی رہیں چنانچہ ابن سعدؓ کا کردار بے داغ ثابت ہوتا ہے

موقف علی بن الحسینؒ

حضرت علی بن الحسین (زین العابدینؒ) اپنے جذبات وخیالات اور فرائض ملیہ کی ادائیگی میں اپنے عم بزرگوار حضرت حسنؓ سے مشابہت رکھتے ہیں۔ سیاسی امور میں کبھی مداہنت سے کام نہیں لیا سبائیوں کی بڑی کوشش رہی کہ آپ کو اپنے جال میں پھانس لیں، لیکن آپ ان کے دھوکہ میں نہیں آئے یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں میں آپ کا نام عزت سے نہیں لیا جاتا۔ ان کے نزدیک آپ نے اموی خلفاء سے جو بیعت کی وہ محض اپنے کو محفوظ رکھنے کے لئے تھی ورنہ حقیقی جذبات باغیانہ رکھتے تھے آپ کی مظلومیت اور طبیعت کی کمزوری کی داستانیں مشہور کی گئیں اور ایسی روایتیں وضع ہوئیں کہ ناواقف یہ سمجھنے پر مجبور ہو جائیں کہ عزیمت سے آپ کو کچھ بھی حصہ نہیں ملا تھا۔ لیکن جب واقعات کا تجزیہ کیا جائے تو ہویدا ہو جاتا ہے کہ یہ امت حضرت

علی (زین العابدینؒ) کے کردار پر جتنا فخر کرے اور آپ کے طریقۂ کار کی پیروی میں جتنی سعادت برتے درست۔ آپ ہمیشہ جماعت سے وابستہ رہے اور تفرقہ کی کارروائیوں سے بیزار و برکنار۔

میدان کربلا میں آپ موجود تھے، اوّل سے آخر تک سب منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ پھر جب آپ کو دمشق لے جایا گیا اور وہاں جس خلوص و محبت و مودّت کا برتاؤ آپ کے ساتھ اور آپ کے دوسرے عزیزوں کے ساتھ ہوا وہ بھی آپ کا ذاتی تجربہ تھا جو وضعی روایات سے دھندلا نہیں پڑسکا آپ نے دمشق میں امیرالمومنین یزیدؓ سے مع اپنے دوسرے عزیزوں کے جن میں تین آپ کے حقیقی بھائی محمد و جعفر و عمر بنو الحسینؓ اور تین چچیرے بھائی حسن و عمر و زید بنو الحسنؓ شامل تھے، بیعت کی اور اس بیعت پر مستقیم رہے۔ پھر جب بعض اہل مدینہ نے امیرالمومنین کے خلاف بغاوت کی آگ بھڑکائی اور بنی امیہ کے تمام افراد کو خارج البلد کر دیا گیا تو دوسرے ہاشمیوں، قریشیوں اور انصاریوں کی طرح آپ بھی اس بغاوت سے الگ رہے۔ واعتزل الناس علی بن الحسین (زین العابدینؒ) (ص۲۱۸ البدایہ والنہایہ) اور محض الگ ہی نہ رہے، بارگاہ خلافت کو اپنے موقف سے بذریعہ تحریر مطلع کر دیا۔

امیرالمومنین یزیدؒ نے جب مدینہ کے باغیوں کی سرکوبی کے لئے ایک معمر صحابی امیر مسلم بن عقبہ المزنی کی سرکردگی میں فوجی دستہ بھیجا تھا۔ اس وقت تقریر بھی کی تھی اور یہ تین شعر فی البدیہہ بھی لکھتے تھے (انساب الاشرف بلاذری جلد ۴) جن میں شرب خمر کے اتہام کی خوبی سے تردید بھی ہے۔

ابلغ ابا بکر اذا الجیش انبری   واشرف القوم علی وادی القریٰ

یعنی جب فوج روانہ ہو کر وادی القریٰ   پہنچ جائے تو ابوبکر (ابن الزبیرؓ کی کنیت ہے) کہدینا

اجمع سکران من الخمر تریٰ   ام جمع یقظان اذا حت السُریٰ

کیا اسے تم ایک شرابی بدعت کی جماعت سمجھتے ہو   یا اس ہوشمندی کی جو بغاوت کرنے کو فوج بھیجتا ہے

واعجبا من ملحد وا عجبا   مخادع فی الدین یقفو بالفریٰ

افسوس و تعجب ہے اس ملحد دین میں نئی بات پیدا کرنے والے پر   جو دین کے بارے میں دھوکہ دیتا ہے اور جھوٹی بات کو سچی بیان کرتا ہے

یہ شعر پڑھ کر تقریر کی، سردار فوج کو نصیحتیں کیں اور حضرت علی بن الحسینؓ (زین العابدینؓ) کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کی خاص ہدایت کی۔ اور فرمایا:

"دیکھو تم علی بن الحسینؓ سے مراعات سے پیش آنا۔ ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرنا۔ توقیر کے ساتھ بٹھانا وہ اس مخالفت سے علیحدہ ہیں جو ان لوگوں نے ہماری کی ہے۔ ان کی تحریر میرے پاس آگئی ہے۔"
(طبری ج ۷ ص ۲)

بلاذری نے مسلم کا یہ فقرہ نقل کیا ہے:

ان امیر المومنین امرنی ببرہ واکرامہ (صفحہ ۳۹ جلد ۴ قسم ثانی مطبوعہ یروشلم)

یعنی امیرالمومنین (یزیدؒ) نے ان (علی زین العابدین) کے ساتھ نیکی اور توقیر و اکرام کا مجھے حکم دیا ہے۔

حضرت علی زین العابدینؒ نے یہ سن کر امیرالمومنین یزیدؒ کے حسن سلوک پر خوشنودی کا اظہار کیا۔ ان کو دعائیں دیں اور کہا: "وصل اللہ امیرالمومنین" یعنی اللہ تعالیٰ امیرالمومنین (یزیدؒ) کو اپنی رحمت میں ڈھانکے۔

طبقات ابن سعد جیسی مستند کتاب میں یہی روایت آپ کے صاحبزادے حضرت ابوجعفر محمد (الباقرؒ) سے ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے:

سال یحییٰ بن شبل ابا جعفر یوم الحرۃ۔ ھل خرج فیھا احد من اھل بیتک؟ فقال ما خرج فیھا احد من ال ابی طالب ولا خرج فیھا احد من بنی عبد المطلب، الزموا بیوتھم فلما قدم مسرف (اعنی مسلم بن عقبۃ) وقتل الناس وسار الی العقیق سأل عن ابی علی بن الحسین احاضر ھو فقیل لہ نعم فقال مالی لا اراہ فبلغ ابی ذلک فجاءہ ومعہ ابو ہاشم عبد اللہ والحسین ابنا محمد بن علی (ابن الحنفیۃ) فلما رای ابی رحب بہ واوسع لہ علی سریرہ ثم قال کیف کنت بعدی قال انی احمد اللہ الیک فقال مسرف ان امیر المومنین اوصانی بک خیرا

فقال ابی وصل اللہ امیر المؤمنین۔

"یحییٰ بن شبل نے ابو جعفر (محمد الباقرؒ) سے واقعۂ حرّہ کے متعلق دریافت کیا کہ کیا ان کے گھرانے کا کوئی فرد لڑنے نکلا تھا تو انہوں نے فرمایا کہ نہ خاندان ابو طالب میں سے کوئی فرد نکلا تھا اور نہ عبد المطلب (یعنی بنو ہاشم) کے گھرانے سے کوئی فرد لڑنے نکلا سب اپنے اپنے گھروں میں گوشہ گیر رہے۔ جب (مسلم بن عقبہ) آیا اور قتال کر کے وادئ عقیق میں ٹھہرا تو اس نے میرے والد علی بن الحسینؒ کے بارے میں دریافت کیا کہ آیا وہ (مدینہ میں) موجود ہیں؟ تو اس سے کہا گیا کہ ہاں ہیں۔ پھر اس نے کہا کہ کیا بات ہے میں ان کو نہیں دیکھتا؟ اس کے دریافت کرنے کی خبر جب میرے والد (علی بن الحسینؒ) کو پہنچی وہ اس کے پاس آئے اور ان کے ساتھ ابو ہاشم عبداللہ اور حسن فرزندانِ محمد بن علی (ابن الحنفیہؒ) بھی تھے۔ مسرف نے جب میرے والد کو دیکھا تو خوش آمدید کہا اور اپنے برابر تخت پر جگہ دی۔ پھر میرے والد سے پوچھا کہ میرے بعد آپ کیسے رہے۔ انہوں نے اللہ کی حمد کی اور شکر ادا کیا مسرف نے کہا کہ امیر المومنین (یزیدؒ) نے آپ کے ساتھ حسن سلوک کا مجھے حکم دیا ہے تو میرے والد (علی زین العابدینؒ) نے کہا:۔

وصل اللہ امیر المومنین یعنی اللہ امیر المومنین کو اپنی رحمت سے ڈھانکے

حضرت ابو جعفر محمد (باقرؒ) کی اس روایت کے مضمون کو الامامۃ والسیاسۃ کے مولف نے بھی ان الفاظ میں بیان کیا ہے

وسال مسلم ابن عقبۃ قبل ان یرتحل من المدینۃ عن علی بن الحسین احاضر ھو؟ فقیل لہٗ نعم فاتاہ علی بن الحسین ومعہ ابناہٗ فرحب بھما وسھل وقربھم وقال ان امیر المومنین اوصانی بك فقال علی بن الحسین وصل اللہ امیر المومنین واحسن جزاءہٗ (ج ۱ صفحہ ۲۳۰)

مسلم بن عقبہ نے مدینہ سے روانگی سے قبل علی بن الحسین (زین العابدینؒ) کے متعلق دریافت کیا کہ آیا وہ یہاں ہیں۔ اس سے کہا گیا کہ ہاں ہیں علی بن الحسین اس کے پاس آئے ان کے ساتھ ان کے فرزند بھی تھے مسلم نے ان کو خوش آمدید کہا، استقبال کیا اور اپنے قریب بٹھایا اور کہا کہ امیر المومنین (یزیدؒ) نے آپ کے بارے میں مجھے حسن سلوک کی

وصیت فرمائی ہے یہ سن کر حضرت علی بن الحسین (زین العابدینؒ) نے کہا کہ وصل اللہ امیر المومنین یعنی اللہ تعالےٰ امیر المومنین کو اپنی رحمت سے ڈھانکے اور ان کو جزائے خیر دے۔

حضرت علی بن الحسینؓ (زین العابدینؒ) کی زبان سے امیر المومنین یزیدؒ کو "امیر المومنین" کہتے ان کو دعائیں دیتے سننا ناواقفوں اور "یزید دشمنی" کے ہزار سالہ پروپگنڈے سے متاثر لوگوں کے لئے کچھ نئی سی بات معلوم ہو گی۔ مگر بقول شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ۔

"یزید کو امام و خلیفہ (امیر المومنین) کہنے سے یہی مطلب ہے کہ وہ اپنے زمانہ (۶۱ - ۶۴ھ) میں با اختیار حکمران تھے۔ صاحب سیف تھے طاقتور تھے عزل ونصب کرتے تھے، دیتے لیتے تھے۔ اپنے حکموں کو جاری کرنے کی قوت رکھتے تھے، حدود شرعی قائم کرتے تھے، کافروں پر جہاد کرتے تھے۔ اور یہ ایک ایسی بات ہے کہ اس سے انکار ناممکن ہے۔ یزیدؒ کے صاحب اختیار حکمران ہونے سے انکار کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی اس واقعہ سے انکار کر دے کہ (حضرت) ابو بکرؓ (حضرت) عمرؓ (حضرت) عثمانؓ حکمران نہیں تھے یا قیصر و کسریٰ نے کبھی حکومت نہیں کی"

(ملخصاً منہاج السنۃ در رسالہ حسین و یزید)

زمانہ خلافت میں تو "امیر المومنین" سے مخاطب ہونا یا سرکاری کاغذات میں نام کے ساتھ امیر المومنین لکھا جانا عام بات تھی۔ حضرت محمد بن علی (ابن الحنفیہؒ) کا مکالمہ انساب الاشراف بلاذری سے پہلے نقل ہو چکا ہے جس میں انہوں نے اسی لقب سے خلیفہ موصوف کو مخاطب کیا تھا۔ بعد کے متعدد مصنفین نام کے ساتھ امیر المومنین لکھتے تھے مثلاً ابن حزم جمہرۃ الانساب میں حضرت معاویہؓ کی اولاد کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:۔

"وولد معاویۃ امیر المومنین ... یزید امیر المومنین

(صفحہ ۱۰۳)

یحییٰ بن بکیر نے حضرت ابو الحارث اللیث بن سعد الفہمیؒ کا جنہیں امام ذہبی نے احد الاعلام اور "ثقۃ روایۃ" اور ائمہ احادیث میں سے ثقہ و حجۃ

بلا نزاع" لکھا ہے (میزان اعتدال، جلد ۲ صفحہ ۲۶۱) یہ قول نقل کیا ہے۔ یعنی وہ فرماتے تھے کہ:-

"توفی امیر المومنین یزید فی تاریخ کذا"

یعنی امیر المومنین یزیدؒ کا فلاں تاریخ میں انتقال ہوا قاضی ابوبکر بن العربی لکھتے ہیں۔

فسماہ اللیث۔ امیر المومنین، بعد ذھاب ملکھم وانقراض دولتھم

یعنی حضرت لیثؒ ان کو (یزید کو) اس وقت بھی "امیر المومنین" کہتے تھے۔ جب ان کی حکومت چلی گئی اور ان کی سلطنت جاتی رہی تھی۔

علامہ ابن کثیر نے ان کی وفات کے حال میں ان کی سیرت کا تفصیلاً ذکر کرتے ہوئے ان کا نام ولقب اس طرح لکھا ہے۔

ھو یزید بن معاویۃ بن ابی سفیان بن حرب بن امیۃ بن عبد شمس امیر المومنین ابو خالد الاموی (البدایہ ج ۸ ص ۲۲۶)

کذابین نے مجہول الحال راوی کا نام لے کر جو جھوٹ بولا ہے کہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ امیر یزیدؒ کو امیر المومنین کہنے پر کسی کے بیس کوڑے لگوائے تھے۔ اس کی تکذیب میں باسناد صحیحہ یہ بیان ہو چکا ہے کہ خلیفہ موصوف تو امیر یزیدؒ کے نام پر رحمۃ اللہ علیہ کہا کرتے تھے۔
(لسان المیزان)

حضرت علی (زین العابدینؒ) فتنہ کے زمانہ میں مدینہ کے باغیوں سے الگ ہی نہیں رہے بلکہ انہوں نے جرأت کے ساتھ بنی امیہ کے بعض اکابر کی امداد و اعانت بھی کی۔ حضرت مروانؒ کی اہلیہ سیدہ عائشہ بنت حضرت عثمان ذی النورینؓ کی، ان کے گھر کے ساز و سامان اور ان کے عیال کی اس طرح حفاظت کی کہ ان سب کو اپنے گھر میں رکھا اور جب مدینہ سے اپنی جاگیر ینبوع پر تشریف لے گئے ان کو بھی اپنے ساتھ لیتے گئے۔ سیدہ عائشہ جب طائف جانے لگیں۔ اپنے صاحبزادے عبداللہ کو جو حضرت محمد الباقرؒ کے سگے بھائی تھے آپ نے ان کے ساتھ طائف بھیجدیا تھا (طبری)۔ حضرت علی (زین العابدینؒ) ان کے اہل بیت و دیگر بنی ہاشم یعنی ان کے چچا حضرت محمد بن علیؒ (ابن الحنیفہ) ان کے دادا حضرت عبداللہ بن عباسؓ ان کے چچیرے بھائی حسن مثنیٰ و زید ابنائے حسن بن علیؓ وغیرہم اگر گز درطبیعت کے ہوتے یا ہوا کا رخ دیکھا کرتے جیسا کہ وضاعین باور کرانا چاہتے ہیں تو یہ سب حضرات حضرت ابن الزبیرؓ

سے بیعت کر کے اپنے کو محفوظ رکھ سکتے تھے مگر ان حضرات نے ایسا نہیں کیا مظالم کربلا کی جو غیر مستند اور مبالغہ آمیز روایتیں وضع کی گئی ہیں۔ ان کا عشیر بھی اگر مطابق واقعہ ہوتا تو بنی ہاشم کو بنی امیہ سے بدلہ لینے کا اس سے بہتر اور کیا موقعہ ہو سکتا تھا۔ ان سب حضرات نے جو حضرت علیؓ اور حضرت حسینؓ کے عصبات اور اولیاء الدم (قصاص خون لینے والے) تھے۔ امیر المومنین یزیدؒ کے مخالف اور مدمقابل (ابن زبیرؓ) کا ساتھ کیوں نہ دیا۔ ابن زبیرؓ سے بیعت کیوں نہ کی۔ امیر المومنین یزیدؒ کی بیعت پر کیوں ثابت قدم رہے۔ ابن الزبیرؓ کی بیعت سے انکار کر کے پر سختیوں کو کیوں برداشت کیا۔ پھر اس کے بعد مختار ثقفی کی تحریک سے یہ سب حضرات کیوں الگ رہے۔ امیر المومنین مروانؒ۔ امیر المومنین عبدالملکؒ وغیرہم کی بیعت میں کیوں داخل ہو گئے حضرت علی (زین العابدینؒ) اور دوسرے اکابر بنی ہاشم کے اس طرز عمل سے بخوبی ثابت ہے کہ اموی خلفاء کی بیعت پر استقامت ان کے نزدیک بھی اس وقت اسی طرح ضروریات ملیہ میں سے تھی جس طرح اس وقت کے شیخ الصحابہ حضرت عبداللہ بن عمر فاروقؓ کے نزدیک۔ حضرت موصوف کی عزیمت کا حال صحیح بخاری کی اس روایت سے معلوم ہو گا جو ذیل میں درج ہے۔ اور اس سے اندازہ ہو گا کہ آپ اس بغاوت کو ملی و دینی حیثیت سے کیا سمجھتے تھے۔

عن نافع قال لما خلع اھل المدینۃ یزید بن معاویۃ جمع ابن عمر حشمہ وولدہ فقال انی سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول ینصب لکل غادر لواء یوم القیامۃ وانا قد بایعنا ھذا الرجل علی بیع اللہ ورسولہ وانی لا اعلم احدا منکم خلعہ ولا تابع فی ھذا الامر الا کانت الفیصل بینی وبینہ۔

(صحیح بخاری، کتاب الفتن۔ جلد ۲ جزو ۲۹)

"حضرت نافع سے روایت ہے کہ جب اہل مدینہ نے یزید بن معاویہؓ کی بیعت توڑ دی (حضرت) ابن عمرؓ نے اپنے لواحقین اور فرزندوں کو جمع کیا اور فرمایا میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ہر غدر کرنے والے کے لئے قیامت کے دن جھنڈا نصب کیا جائے گا کہ سب غدار اس کے نیچے کھڑے ہوں۔ ہم نے اس شخص سے (یعنی امیر المومنین یزیدؒ سے) اللہ اور اس کے رسول کی بیعت کی ہے اگر مجھے معلوم ہوا کہ تم میں سے کسی نے ان کی

بیعت توڑدی یا اس شورش میں کسی طرح شریک ہوا تو پھر میرا اور اس کا تعلق ہمیشہ کے لیے منقطع ہوجائے گا۔"

امام بخاریؒ نے یہاں جو باب باندھا ہے اس کے الفاظ ہیں " باب اذا قال عند قوم شیئاً ثم خرج فقال بخلافه " یعنی باب : جب کوئی شخص کسی جماعت کے سامنے ایک بات کہے اور پھر اس سے الگ ہو کر اس کے خلاف کہنے لگے ۔" غالباً یہ چوٹ ہے اس وفد کے ممبروں پر جو دمشق گیا تھا ۔ اور وہاں سے واپسی پر سب عہد و پیمان توڑ کر امیر المومنین یزیدؒ پر بہتان تراشے تھے ۔ اسی طرح صحیح مسلم (کتاب الامارۃ) میں یہ روایت ہے کہ جب ابن الزبیرؓ کے داعی اور ایجنٹ ابن مطیع نے پروپیگنڈا شروع کیا ، حضرت عبداللہ ابن عمرؓ انہیں سمجھانے اور اس حرکت سے باز رکھنے کے لئے ان کے پاس تشریف لے گئے ۔ انہیں آتا دیکھ کر ابن مطیع نے ان کے لئے گدا بچھانے کو اپنے لوگوں سے کہا ۔

فقال ابن عمرؓ: انی لم آتک لاجلس اتیتک لاحدثک حدیثا سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: من خلع یدا من طاعة لقی اللہ یوم القیامة لا حجة له ومن مات ولیس فی عنقه بیعة مات میتة جاهلیة ۔

"ابن عمرؓ نے فرمایا ، میں تمہارے پاس بیٹھنے کو نہیں آیا بلکہ اس لئے آیا ہوں کہ تمہیں وہ حدیث سنادوں جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے ۔ آپ نے فرمایا جس شخص نے بیعت توڑی وہ قیامت کے دن اللہ کی جناب میں پیش ہوگا ۔ اس کے لئے کوئی عذر نہ ہوگا اور جو شخص اس حالت میں مرجائے کہ اس کی گردن میں کسی (خلیفہ) کی بیعت نہ ہو وہ جاہلیت کی موت مرا ۔"

احکام شرع کی متابعت میں یہی مسلک حضرت زین العابدینؒ اور تمام دوسرے ہاشمی بزرگوں کا تھا ۔ یہ سب حضرات جماعت سے وابستہ رہے اور فتنہ و فساد اور تفرقہ سے مجتنب ۔

حضرت علی زین العابدینؒ نے امیر المومنین یزیدؒ کے زمانہ خلافت کے علاوہ تین دیگر خلفائے بنی امیہ کا زمانہ پایا یعنی امیر المومنین مروانؓ کا ۔ ان کے فرزند امیر المومنین عبدالملکؒ کا اور ان کے فرزند امیر المومنین الولید بن عبدالملکؒ کا دیگر اکابر بنی ہاشم کی طرح

وہ بھی ان تمام خلفائے بنی امیہ کی بیعت میں نہ صرف داخل تھے بلکہ ان حضرات سے بڑی محبت اور خلوص اور رشتہ داری کے تعلقات رکھتے تھے ۔ طبری جیسے شیعی مورخ بھی لکھا ہے کہ حضرت مروانؓ اور حضرت علی زین العابدینؒ میں قدیم سے دوستی بھی اور رشتہ داری بھی ۔ حضرت مروانؓ کے دو بیٹے یعنی امیر المومنین عبدالملکؒ اور ان کے سگے بھائی معاویہ بن مروانؓ حضرت علی مرتضیٰؓ کے داماد تھے (جمہرۃ الانساب ابن حزم صفحہ ۸۰ والبدایہ والنہایۃ جلد ۹ صفحہ ۶۹)

حضرت مروانؓ نے ایک مرتبہ حضرت علی بن الحسین زین العابدینؒ کو ایک لاکھ روپیہ بطور قرضہ حسنہ دیا تھا جو ان سے ادا نہ ہو سکا تھا ۔ حضرت مروانؓ نے اپنی وفات کے وقت اپنے فرزند عبدالملکؒ کو وصیت کی کہ یہ رقم ان سے وصول نہ کریں (البدایہ والنہایۃ جلد ۹ صفحہ ۱۰۴)

علامہ ابن کثیرؒ نے اس محبت و مودت کا ذکر کیا ہے جو حضرت مروانؓ اور ان کے فرزند عبدالملکؒ کو حضرت علی زین العابدینؒ کے ساتھ تھی ۔ وہ لکھتے ہیں : واجبهم الی مروان وابنه عبدالملک (صفحہ ۱۰۶ جلد ۹ البدایہ والنہایہ)

امیر المومنین یزیدؒ کی طرح ان خلفائے بنی امیہ کے بارے میں بھی کذابین نے کیسی کیسی واہی باتیں کہی ہیں ۔ حضرت مروانؓ صحابہ صغار میں سے تھے وهو صحابی عند طائفة کثیرة لانه ولد فی حیاة النبی صلی اللہ علیہ وسلم (صفحہ ۲۵۷ جلد ۸ البدایہ والنہایہ) یعنی کثیر جماعت کے نزدیک وہ (یعنی مروانؓ) صحابی تھے ۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر تقریباً دس گیارہ برس کی تھی ۔ ان کے فرزند عبدالملکؒ نے اور سعید بن المسیب و عروہ بن الزبیرؓ کے علاوہ علی زین العابدینؒ نے بھی ان سے حدیث کی روایت کی ہے ۔ وقد کان مروان من سادات قریش وفضلائها (۲۵۷ جلد ۸ ۔ البدایہ والنہایہ) یعنی (حضرت مروانؓ قریش کے سرداروں اور ان کے فضلاء میں سے تھے ۔ امیر المومنین حضرت معاویہؓ کے عہد خلافت میں متعدد مرتبہ مدینہ منورہ کے عامل رہے اس زمانہ میں حضرت حسنؓ و حسینؓ ان کی امامت میں نمازیں پڑھا کرتے تھے ۔ حضرت جعفر (صادق) بن محمدؒ " تر اپنے والد سے اور وہ اپنے والد ماجد حضرت علی زین العابدینؒ) سے روایت

کرتے ہیں:۔

عن جعفر بن محمد عن ابیہ ان الحسن والحسین کانا یصلیان خلف مروان (صفحہ ۲۵۸، جلد ۸۔ البدایہ والنہایہ)

یعنی: جعفر بن محمد (الباقرؒ) اپنے والد سے اور وہ اپنے والد علی (زین العابدینؒ) سے روایت کرتے ہیں کہ (حضرت) حسن و حسینؓ (حضرت) مروانؓ کے پیچھے نمازیں پڑھا کرتے تھے۔

مختار ثقفی اور اس کے ساتھیوں نے جب اپنی سیاسی اغراض کی خاطر یا ثارات الحسین" (یعنی خون حسینؓ کا انتقام لینے والو دوڑو) کا نعرہ بلند کرکے حضرت علی (زین العابدینؒ) اور ان کے چچا حضرت محمد بن علیؓ (ابن الحنفیہؒ) کو فریب دینا چاہا تو ان حضرات نے اسے منہ نہ لگایا، اس کی تحریک سے اپنی بیزاری کا اظہار کیا۔ لاکھ روپے کی رقم جو اس نے حضرت علی (زین العابدینؒ) کے پاس بھیجی تھی اس کو لینے میں تامل کیا، امیر المومنین عبدالملکؒ کو اطلاعاً تحریر کیا "ان المختار بعث الی بمائۃ الف فکرھت ان اقبلھا وکرھت ان اردھا فابعث من یقبضھا" یعنی مختار نے میرے پاس ایک لاکھ روپیہ بھیجا ہے، مجھے اس کے قبول کرنے سے بھی کراہت ہے اور رد کرنے سے بھی۔ آپ کسی کو بھیجئے کہ وہ یہ رقم آ کر لے لے۔

امیر المومنین موصوف نے جواباً لکھا:۔ "یا ابن عم لخذھا فقد طیبتھا لک فقبلھا" (صفحہ ۱۰۶، جلد ۹ البدایہ النہایہ) یعنی اے ابن عم! آپ اس رقم کو لے لیں، یہ آپ کو مبارک رہے۔ پس آپ نے اس کو قبول کر لیا[1]۔

ان چند امور کے بیان کرنے سے راقم الحروف اہل فکر کو متوجہ کرنا چاہتا ہے اگر حضرت علی مرتضیٰ کی خلافت کو ناکام بنانا اور حضرت حسینؓ کو خروج پر آمادہ کرنے کے بعد غداری کرنا اور میدان کربلا میں شہید کرنا ان سبائیوں کا کام نہ تھا بلکہ جیسا کہ وضاعین باور

---

[1] امیر المومنین عبدالملکؒ کی بیعت ابھی مکمل نہیں ہوئی ہے۔ مختار صاحبِ اقتدار ہے اور نیاز مندانہ یا فریب کارانہ آپ کو روپیہ بھیجتا ہے۔ لیکن آپ اسے اپنے لئے اس وقت حلال نہیں سمجھتے جب تک امیر المومنین عبدالملکؒ اسے لینے کی اجازت نہ دے دیں۔

کرانا چاہتے ہیں امویوں کی دین دشمنی کا نتیجہ تھا تو امیر المومنین یزیدؒ کی وفات سے کچھ قبل یا کچھ بعد بنو ہاشم کے سامنے میدانِ عمل کھل گیا تھا۔ وہ اگر چاہتے تو دونوں باتیں حاصل کر سکتے تھے یعنی امویوں کی خلافت کا خاتمہ اور اہل بیت کی خلافت کا قیام۔ وہ فوداگر کسی قدر کمزور تھے تو انہیں چاہیئے تھا کہ ابن الزبیرؓ کا ساتھ دیتے اور مختار ثقفی کے سر پر ہاتھ رکھتے اور اس سے کہتے کہ اپنی قوت مجتمع رکھے تاکہ ابن الزبیرؓ کے ہاتھوں امویوں کے استیصال کے بعد خود ان سے ہاشمیوں کی معرکہ آرائی کے مواقع میسر آجائیں تھکے ہوئے حریف کو تازہ دم فوجوں سے شکست دینا ہاشمیوں کے لئے آسان ہوتا۔

مگر ہاشمی بزرگوں یعنی حضرت علی (زین العابدینؒ) حضرت محمد بن علیؓ (ابن الحنفیہ) حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے یہ الٹی بات کیوں کی کہ ابن الزبیرؓ کا ساتھ نہ دیا مختار ثقفی کی تحریک سے تبرا کیا۔ امیر المومنین مروانؓ و امیر المومنین عبدالملکؒ کی بیعت میں داخل ہو گئے[1]" جس کے نتیجے میں ایک صدی تک کے لئے تمام عالم اسلام امویوں کے زیر نگیں چلا گیا اور اس کا دائرہ روز بروز وسیع تر ہوتا گیا۔

حضرت علی (زین العابدینؒ) اور ان کے اہل خاندان کے اس موقف سے روز روشن کی طرح کیا یہ ثابت نہیں کہ نہ ہاشمیوں اور امویوں میں خاندانی جنگ تھی اور نہ سیاسی چپقلش میں نسلی کشمکش، نہ دین کا کوئی اختلاف تھا اور نہ عزائم ملیہ کو بروئے کار لانے کے لائحہ عمل میں کوئی اساسی فرق۔ یہ ہاشمی داموی سادات ایک ہی خاندان (بنو عبد مناف) کے افراد، ایک ہی دین کے پیرو، ایک ہی دعوت کے مبلغ تھے۔ اور ان سب کا ایک ہی نصب العین تھا، باہمی محبت مودت تھی اور تعلقات مصاہرت تھے۔ خانہ جنگی میں مبتلا ہونے یا مبتلا کئے جانے کے باوجود خاندانی تعلقات استوار رکھتے تھے۔

بنی امیہ و بنی ہاشم	مشہور مستشرق دے خوئے صفحہ [illegible] نے اپنے

---

[1] سیدنا ابن عباسؓ اگرچہ امیر المومنین عبدالملکؒ کی بیعت ممکن ہوتے سے پہلے ہی وفات پا چکے تھے لیکن آپ جائز خلیفہ انہی کو سمجھتے تھے۔ اسی لئے ابن الزبیرؓ سے بیعت نہیں کی۔

عالمانہ ومحققانہ مقالہ بعنوان "خلافت" میں خلفائے بنی امیہ کے حالات کے سلسلہ میں ایک موقع پر لکھا ہے:۔

"تہمت تراشی اور افترا پردازی کا جو منظم پروپیگنڈا بنی امیہ کی خلافت کی جڑیں کھوکھلی کرنے کی غرض سے علویوں اور عباسیوں کی جانب سے مسلسل طور سے ہوتا رہا اور جس پیمانہ پر جاری رہا اس کی مثال شاید ہی کہیں اور جگہ ملے۔ ان کے داعیوں اور ایجنٹوں نے ہر قسم کی برائی ومعصیت کو جو تصور کی جاسکتی ہے بنی امیہ سے منسوب کیا۔ ان پر اتہام لگایا کہ مذہب اسلام ان لوگوں کے ہاتھوں میں محفوظ ومصون نہیں۔ اس لئے یہ ایک مقدس فریضہ ہوگا کہ دنیا سے ان کو نیست ونابود کردیا جائے۔ بنی امیہ کی جو مستند تاریخ ہمارے ہاتھوں تک پہنچتی ہے اس میں عباسیوں کے ان ہی خیالات وتاثرات کی اس حد تک رنگ آمیزی موجود ہے کہ سچ کو جھوٹ سے بمشکل تمیز کیا جاسکتا ہے۔

(انسائیکلوپیڈیا برطانیکا: ج۵ گیارھواں ایڈیشن)

بلاشبہ تاریخ وادبیات وغیرہ کی اکثر کتابوں میں جو عباسی عہد میں تالیف ہوئیں وہ ہم تک پہنچیں، بہ کثرت۔ روایات بنی امیہ کی تنقیص میں پائی جاتی ہیں۔ خلفائے بنی امیہ کو ظلم وستم، فسق وفجور اور طرح طرح کی معصیت کے ارتکاب سے مطعون کیا گیا ہے۔ مگر ان کتابوں کے مولفین اور ان روایتوں کے راوی نہ عباسی ہیں، نہ علوی نہ ان کی سرپرستی میں یہ کتابیں تالیف ہوئیں۔ نہ ان راویوں سے ان کا کوئی واسطہ جو اکثر وبیشتر سبائی فرقہ سے تعلق رکھتے تھے اور خود عباسیوں کے خلاف ان کے اقوال موجود ہیں فاضل مقالہ نویس اگر ان وضاعین وکذابین کی چھان بین کرتے تو اس عمومیت سے علویوں اور عباسیوں کا ذکر بنی امیہ کے مخالفانہ پروپگنڈے کے سلسلہ میں نہ کرتے۔ اس عہد کی تاریخ کو مسخ کرنے والے یہی سبائی رواۃ اور سبائی مولفین ہیں، جن کی وضعی روایتوں اور تالیفات کے اقتباسات کو سب سے پہلے مورخ طبری نے بلاکسی تنقید کے اپنی کتاب میں نقل کردیا ہے اور طبری سے اس کے بعد والے مورخین نے۔ ابو مخنف لوط وغیرہ سبائی راویوں کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

عمار الدہنی بھی ایک اور شیعہ راوی ہیں۔ ان کے علاوہ اسی وضع قماش کے بعض اور راوی بھی ہیں جن کا ذکر باعث طوالت ہوگا۔ بنی امیہ اور شامیوں کے خلاف سب وشتم وتہمت تراشی کا سلسلہ تو جنگِ صفین کے بعد ہی سے عراقی سبائیوں نے شروع کردیا تھا۔ جس کی تردید میں خود حضرت علیؓ کو گشتی مراسلہ ممالک محروسہ میں بھیجنا اور یہ اعلان کرنا پڑا تھا:۔

"ہم میں اور اہلِ شام میں مقابلہ ہوا اور ظاہر ہے ہمارا اور ان کا خدا ایک، ہمارا اور ان کا نبی ایک، اللہ پر ایمان رکھنے اور اس کے رسولؐ کی تصدیق کرنے میں نہ ہم ان سے زیادہ، نہ وہ ہم سے زیادہ پس معاملہ واحد ہے سوائے اس کے کہ ہم میں اور ان میں خونِ عثمان رضؓ کی بابت اختلاف ہوا" (نہج البلاغۃ: جز ثانی۔ صفحہ ۱۵۹)

کربلا کے بعد سے تو دشنام دہی اور تہمت تراشی کے پروپیگنڈے میں اور زیادہ اشتداد ہوتا چلا گیا۔ اس کے نصف صدی کے بعد سے روافض اور سبائی مولفین نے جو کتابیں تالیف کیں۔ اور راویوں نے روایتیں وضع کیں۔ ان میں سب وشتم کا کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا گیا۔ حتیٰ کہ ان ہی اہلِ شام کو یعنی حضرت معاویہؓ اور ان کے ساتھیوں کو جنہیں حضرت علیؓ اپنا جیسا مومن کہتے ہیں، ان ہی کی زبان سے معاذ اللہ فاجر وکافر کہا گیا۔ نہج البلاغۃ کے مولف نے متعدد خطبوں میں جو حضرت ممدوح سے منسوب کئے گئے ہیں حضرت معاویہؓ اور بنی امیہ کے بارے میں کیسے کیسے اتہامات عائد کئے ہیں، جن کی شرح کرتے ہوئے ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغۃ نے ایک موقع پر معاذ اللہ ثم معاذ اللہ، حضرت معاویہؓ جیسے بزرگ صحابی وکاتب وحی کو جنہیں قرآن پاک میں "کِرَامٍ بَرَرَةٍ" فرمایا گیا ہے۔ یعنی بڑی عزت اور بڑے پاکباز "اہل النار" میں لکھ مارا ہے اور کہا ہے کہ علیؓ کی مخالفت یا ان سے جنگ کرنے کی وجہ سے نہیں بلکہ معاذ اللہ ان کا عقیدہ اور ایمان صحیح نہ تھا" ولکن عقیدتہ لم تکن صحیحۃ ولا ایمانہ حقاً" (صفحہ ۵۶۰۔ خطبہ ۱۹۵: نہج البلاغۃ)

سب وشتم اور تہمت تراشی کے اس انبار در انبار کو پڑھ کر لوگ اسی مغالطہ میں مبتلا ہوجاتے ہیں۔ جیسا دسے خوئے کو ہوا، لیکن بنی امیہ کے خلاف کذب بیانی و

افترا پردازی کی مکمل تردید بنی ہاشم خاص کر علویوں اور امویوں کی وہ مسلسل قرابتیں ہیں جو شروع زمانہ سے لے کر صفین اور کربلا کی خانہ جنگیوں کے بعد تک بدستور جاری رہیں اموی خلفاء اگر ایسے ہی تھے۔ جیسا وضاعین باور کرانا چاہتے ہیں، فاسق وفاجر تھے۔ منافق وکافر، ظالم وسفاک تھے۔ تو کیونکر ممکن ہے کہ ہاشمی اور علوی اپنی بیٹیاں ان کو بیاہتے اور ان کی بیٹیاں اپنے یہاں بیاہ کر لاتے۔[1]

صفین وکربلا کے بعد کی قرابتیں

حضرت علیؓ کی تین صاحبزادیاں بنی امیہ کو بیاہی گئیں، بایں تفصیل:-

(۱) حضرت علیؓ کی صاحبزادی رملہ امیر المومنین مروانؓ کے فرزند معاویہ بن مروانؒ کے عقد میں آئیں، جو امیر المومنین عبد الملکؒ کے حقیقی بھائی تھے۔

(جمہرۃ الانساب ابن حزم: صفحہ ۸۰)

(۲) حضرت علیؓ کی دوسری صاحبزادی خود امیر المومنین عبد الملکؒ کے عقد میں تھیں
(البدایہ والنہایہ: ج ۹ صفحہ ۶۹)

(۳) حضرت علیؓ کی تیسری صاحبزادی خدیجہ امیر عامرؒ بن کریز اموی کے فرزند

---

[1] دعوت عباسیہ کے متعلق سبائیوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ اموی خلافت کے خلاف کوئی تحریک تھی حالانکہ واقعات اس تصور کی کھلی تردید کرتے ہیں سب سے اہم چیز ہے حدیث وفقہ کی تدوین ہے جو خلفائے عباسیہ کے دور میں سرکاری طور پر عمل میں آئی ان کتابوں میں اموی صحابہ اور خلفاء کی مرویات اور ان کے فتاوی مذکور ہیں اور انہیں حجت شرعی دی گئی ہے۔ موطا شریف، صحیح بخاری، سنن نسائی اور دیگر کتب اس سلسلے میں براہین قاطعہ کا حکم رکھتی ہیں۔ پھر یہ کہ عباسیوں نے کبھی اموی خلفاء کے خلاف خروج نہیں کیا بلکہ جب تک امویوں کی خلافت امت کے نزدیک متفق علیہا رہی کوئی سیاسی قدم نہیں اٹھایا۔ وہ میدان میں اس وقت آئے جب سبائیہ نے پروپیگنڈا کر کے بربروں کو خلفائے اسلام کے خلاف بھڑکا دیا اور خون ریز معرکے ہوئے ادھر خود علویوں میں تلوار چل پڑی حتیٰ کہ خود امویوں میں بھی پھوٹ پڑ گئی۔ ان تمام فسادات میں دعوت عباسیہ کے داعیوں کا ہاتھ کسی طرح ثابت نہیں کیا جاسکتا۔

عبد الرحمٰن کو بیاہی گئیں (ص ۶۸ جمہرۃ الانساب بن حزم) یہ امیر عامرؒ اموی بصرہ کے گورنر تھے اور جنگِ جمل میں حضرت علیؓ کے مقابل صف آرا تھے۔

حضرت علیؓ کے بڑے صاحبزادے حضرت حسنؓ کی ایک دو نہیں بلکہ چھ پوتیاں اموی خاندان میں بیاہی گئیں، یعنی:-

(۱) سیدہ نفیسہ بنت زید بن حسنؒ کی شادی امیر المومنین الولیدؒ بن عبد الملکؒ بن مروانؒ سے ہوئی جن کے بطن سے ان اموی خلیفہ کی اولاد بھی ہوئی جو حضرت حسن بن علیؓ کے اموی ومروانی نواسے تھے۔ شیعہ مورخ ونساب مؤلف عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب اس حسینہ وعلویہ خاتون کے امیر المومنین مروانؓ کے پوتے کے نکاح میں آنے کو تو مخفی نہ رکھ سکے، مگر اس رشتہ کا ذکر کرتے ہوئے عربی لفظ "تزوجت" (شادی ہوئی) کے بجائے کس سخیفانہ طرز میں لکھا ہے۔ "خرجت الی الولید" (یعنی نکل کے ولید کے پاس چلی گئی) اصل عبارت اس شیعہ مؤلف کی یہ ہے:-

وكان لزيد بن حسين بن علیؓ ابنة اسمها نفيسة خرجت الى الوليد بن عبد الملك بن مروان فولدت له منه وماتت بمصر وقد قيل انما خرجت الى عبد الملك بن مروان وانما ماتت حاملا منه والاصح الاول وكان زيد يفد على الوليد بن عبد الملك ويقعده على سريره ويكرمه لمكان ابنته ووهب له ثلثين الف دينار دفعة واحدة۔

(عمدۃ الطالب صفحہ ۶۴ طبع اول مطبع جعفری لکھنو)

یعنی زید بن حسن بن علیؓ کی ایک بیٹی نفیسہ نام تھی جو الولید بن عبد الملک بن مروان کے پاس نکل کر چلی گئی۔ اس سے اولاد بھی ہوئی۔ مصر میں فوت ہوئی یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ عبد الملک بن مروان کے پاس نکل کر چلی گئی تھی اور اس سے حمل بھی رہ گیا تھا۔ مگر پہلی روایت زیادہ صحیح ہے اور زید مذکور ولید بن عبد الملک کے پاس جایا کرتے تھے۔ وہ ان کو اپنے پاس تخت پر بٹھاتا اور ان کی بیٹی کی وجہ سے ان کا اکرام کرتا۔ اس نے ان کو یک وقت تیس ہزار اشرفیاں عطا کی تھیں۔

بہ زید بن حسن بن علیؓ وہ ہیں جو اپنے چچا حضرت حسینؓ کے ساتھ کربلا میں موجود تھے۔

ان جناب مولف نے اس عفیفہ کے نکاح کے بارے میں جس توہین آمیز طریقہ پر "اخرجت الی" کے الفاظ سے ذکر کیا ہے، وہ کوئی نئی بات نہیں۔ سیدہ ام کلثوم بنت حضرت فاطمہؓ کے سیدنا عمر فاروقؓ کے حبالہ عقد میں آنے کا واقعہ ان حضرات کی مستند کتابوں میں اس سے بھی زیادہ سخت الفاظ میں بیان ہوا ہے۔ "واول فرج غصبت منا" (یعنی یہ پہلی شرمگاہ ہے جو ہم سے چھین لی گئی) کہا ہے اور اس لغو قول کو اپنے ایک امام کی طرف منسوب کیا ہے۔ معاذ اللہ۔

معز الدولہ دیلمی اور اس کا خاندان رفض میں غلو رکھتے تھے۔ ماتم حسینؓ کی بنیاد ابتداءً اسی نے ڈالی تھی۔ لیکن بعد میں جب سیدہ ام کلثوم کے حضرت فاروق اعظمؓ کے حبالہ عقد میں آنے کا حال اس کو متحقق ہوگیا تو وہ حیرت زدہ ہوکر کہتا تھا، ما سمعت ھذا قط (ص۲۶۲ ج ۱۱ البدایہ والنہایہ) یعنی میں نے یہ بات قطعاً نہیں سنی تھی۔ پھر وہ شیعیت کے عقائد سے تائب ہوا۔ ورجع الی السنۃ ومتابعتھا (ص۲۶۲ ایضاً) حضرت علیؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ کی آپس کی محبت واتحاد کا اس کے نزدیک یہ رشتہ بڑا قوی ثبوت تھا۔

(۲) حضرت حسن بن علیؓ کی دوسری پوتی زینب بنت حسن مثنیٰ کی شادی بھی اسی اموی و مروانی خلیفہ ولیدؒ بن عبد الملکؒ بن مروانؓ سے ہوئی (جمہرۃ الانساب ابن حزم، صفحہ ۳۶)، یہ زینب حضرت محمد (الباقرؒ) کی سالی اور عبد اللہ المحض کی حقیقی بہن تھیں۔ واضح رہے کہ ان زینب کے والد حسنؓ مثنیٰ واقعۂ کربلا میں اپنے چچا اور خسر حضرت حسینؓ کے ساتھ موجود تھے۔ اور معرکۂ قتال وجدال میں شریک ہوکر بہت زیادہ زخمی ہوئے تھے۔ اور زخم مندمل ہوکر صحیح سلامت واپس آئے تھے۔

(۳) حضرت حسن بن علیؓ کی تیسری پوتی ام قاسم بنت حسن مثنیٰ حضرت عثمانؓ کے پوتے مروان بن ابانؓ کو بیاہی گئیں جن کے بطن سے حضرت حسنؓ کے عثمانی و اموی نواسہ محمد بن مروان عثمانی پیدا ہوئے۔ اپنے شوہر مروانؓ کے انتقال کے بعد یہ ام قاسم حضرت علی بن الحسینؓ (زین العابدینؒ) کے عقد میں آئیں

(جمہرۃ الانساب ابن حزم صفحہ ۳۷ وکتاب المحبر صفحہ ۴۳۸)

(۴) حضرت حسن بن علیؓ کی چوتھی پوتی امیر المومنین مروانؓ کے ایک فرزند معاویہ بن مروانؓ بن الحکم کے عقد میں آئیں، جن کے بطن سے حضرت حسنؓ کے اموی و مروانی نواسہ ولید بن معاویہ مذکور متولد ہوئے (صفحہ ۸۰ وصفحہ ۱۰۰، جمہرۃ الانساب ابن حزم)

(۵) حضرت حسن بن علیؓ کی پانچویں پوتی حمادہ بنت حسن مثنیٰ امیر المومنین مروانؓ کے ایک بھتیجے کے فرزند اسماعیل بن عبد الملک بن الحارث بن الحکم کو بیاہی گئیں۔ ان سے حضرت حسنؓ کے تین اموی نواسے متولد ہوئے یعنی محمد الاصغر، ولید اور یزید فرزندان اسمٰعیل مذکور (صفحہ ۱۰۰ جمہرۃ الانساب ابن حزم)

(۶) حضرت حسن بن علیؓ کی چھٹی پوتی خدیجہ بنت الحسین بن حسن بن علیؓ کی شادی بھی اپنی چچیری بہن حمادہ کے نکاح سے پہلے اسماعیل بن عبد الملک مذکور سے ہوئی تھی جن کے بطن سے حضرت حسنؓ کے چار اموی نواسے محمد الاکبر و حسین و اسحٰق و مسلمہ پیدا ہوئے۔ (صفحہ ۱۰۰ جمہرۃ الانساب ابن حزم)

حضرت علیؓ کثیر الازواج اور کثیر الاولاد تھے۔ اٹھارہ بیٹے اور اٹھارہ بیٹیاں یعنی چھتیس ۳۶ اولادیں مختلف ازواج اور کنیزوں کے بطنوں سے ہوئیں۔

حضرت فاطمہؓ کے انتقال کے بعد ۲۹ سال بقید حیات رہے۔ اس عرصہ میں ۲۹ خاتونوں اور امہات ولد کو زوجیت میں لائے۔ وفات کے وقت چار بیویاں اور انیس ۱۹ ام ولد چھوڑیں۔ (الملل والنحل ابن حزم) شیعہ مورخ ونساب مولف عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب ان کی اولاد کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

لامیر المؤمنین فی اکثر الروایات ستۃ وثلاثون ولدًا ثمانیۃ عشر ذکرًا وثمانیۃ عشر انثیٰ (ص۴۲)

یعنی امیر المومنین (علیؓ) کے اکثر روایات کے اعتبار سے ۳۶ اولادیں تھیں جن میں سے ۱۸ بیٹے اور ۱۸ بیٹیاں تھیں (صفحہ ۴۲)

دختران علی زیادہ تر بنو جعفر، بنو عقیل، بنو عباسؓ اور بنو مروان کی زوجیت میں آئیں (المعارف ابن قتیبہ صفحہ ۹۲ وجمہرۃ الانساب ابن حزم صفحہ ۳۳) وتزوج منھن ایضًا عبد الملکؒ بن مروان (ص۳۳ جمہرۃ الانساب ابن حزم) یعنی ان

میں (بنات علیؓ میں) سے اسی طرح عبدالملک بن مروانؒ نے شادی کی، ان رشتوں سے جو بنی اُمیہ سے ہوئے بالبداہت ثابت ہے کہ بنی امیہ و بنی ہاشم کے ان دونوں خاندانوں میں جو دو حقیقی بھائیوں کی اولادیں ہیں نہ کوئی خاندانی عداوت تھی، نہ نسلی مغایرت اور نہ مذہبی وسماجی ومعاشرتی اختلاف۔ حضرت علیؓ و حضرت حسنؓ کے یہ داماد علم وعمل وسیرت وکردار کے اعتبار سے یقیناً ایسا بلند اور ممتاز درجہ رکھتے تھے کہ ہاشمیہ خواتین اور "امام" زادیاں یکے بعد دیگرے ان کے عقد میں آتی رہیں۔ اب قلمی تصویر کا وہ رخ بھی ملاحظہ ہو جو شیعہ مؤلفین نے پیش کیا ہے۔

۴۰۰ھ میں یعنی حضرت علیؓ کی وفات کے تقریباً تین سو ساٹھ برس بعد نہج البلاغۃ کے مؤلف نے جو خطبے خود تصنیف کرکے اور دوسرے فصحائے شیعہ سے تصنیف کرا کے بغیر کسی سند اور ثبوت کے حضرت علیؓ سے منسوب کرکے شامل کتاب کئے ہیں ان میں سے متعدد خطبات میں عبد الملکؒ اور ان کے عزیزوں، بھائیوں، اولاد کی تنقیص میں، نیز ان لشکرکشیوں کے بارے میں جو مصعب بن زبیرؓ اور عبدالرحمٰن بن الاشعث کے مقابلہ میں خلیفہ اُموی نے کیں حضرت علیؓ کی زبان سے ان میں ایسے الفاظ ادا کرائے گئے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خطبہ تصنیف کرنے والے کو، جو حضرت موصوف کی وفات سے صدیوں بعد خطبے وضع کر رہا تھا یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اس اموی خلیفہ عبدالملکؒ کو حضرت علی کی دامادی کا شرف بھی حاصل تھا۔ نیز ان کے بھائی معاویہ بن مروان کو بھی۔ ورنہ حضرت علیؓ کے ان دامادوں کے خلاف نہ خطبے تصنیف کئے جاتے نہ ایسے الفاظ تحریر ہوتے۔

خطبہ ۹۷ ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے:۔

کانی انظر الی ضلیل قد نعق بالشام الخ یعنی گویا میں ایک سخت گمراہ ہو جانے والے کی طرف دیکھ رہا ہوں جو شام میں حیوانوں کی طرح آواز نکال رہا ہے اس نے نواحِ کوفہ میں اپنے علم ظاہر اور بلند کئے ہیں۔ میں دیکھ رہا ہوں کہ عنقریب اس کا منہ درندوں کی طرح کھل جائے اس کی سرکشیاں شدید ہو جائیں۔ وہ زمین میں سختی سے منہ مارنے لگے۔ اس کے فتنہ آمیز اور نکیلے دانت ابنائے زمانہ کو گزند پہنچائیں۔ لڑائی کی موجیں جنبش کریں دنوں میں اس کے ظلم وستم کی گرفت ظاہر ہو اور راتوں میں اس کے جور و الم کی گزندگی

میری آنکھوں میں ہے کہ اس کی زراعت سرسبز ہو، اس کے رسیدہ میوے نہال ہو جائیں۔ اس کا گلو شقشقہ شتر مست کی طرح آواز دینے لگے۔ اس کی تلوار کی بجلیاں چمکیں اس کے فتنے شب تیرہ و تار اور بحر متلاطم و متواج کی طرح نظر آنے لگیں اور شہر کوفہ توڑ دینے والی آندھیوں سے شگافتہ ہو جائے۔ تند اور سخت ہواؤں کا اس پر گزر ہو۔ تھوڑے زمانہ بعد یہ گروہ مردم (یعنی بنی مروانؒ) دوسرے گروہ (یعنی بنو عباسؓ) کے ساتھ لپٹ جائے اور یہ لوگ کھنچی ہوئی تلواروں سے ریزہ ریزہ ہو کر زیر خاک پنہاں ہو جائیں[1]

حضرت علیؓ کی وفات سے تینتیس اکتیس برس بعد یعنی ۷۱ھ میں جب عبداللہ بن زبیرؓ اور امیر المومنین عبدالملکؒ کے مابین خلافت کی چپقلش جاری تھی مصعب بن زبیرؓ جو حضرت حسینؓ کے داماد تھے، اپنے بھائی کی جانب سے عراق کے عامل تھے۔ امیر المومنین عبدالملکؒ سے قبل خلافت ان کی گہری دوستی تھی۔ آپس میں محبت تھی۔

وقد کان عبد الملکؒ یحب مصعباً حباً شدیداً وکان خلیلا لہ

---

[1] اہل تاریخ نے زوال خلافت امویہ کی وہ بھیانک تصویر کھینچی ہے کہ معاذ اللہ اور عباسی فتح مندوں کے وہ مظالم دکھائے ہیں کہ جگر شق ہو۔ کہا جاتا ہے کہ چن چن کر اموی سادات کو قتل کیا گیا۔ پھر انہیں عباسی خلفاء کے حاشیہ نشینوں میں بتایا ہے امیر عبدالرحمٰن الداخل جنہوں نے ہسپانیہ میں اموی امارت قائم کی تھی اور عباسیوں کے داعیوں کی دست بُرد سے فرار ہو کر وہاں پہنچے سب مظالم ان کے آنکھوں دیکھے تھے۔ انہوں نے عباسی خلافت کو کیوں تسلیم کیا۔ اور اپنے آپ کو خلیفہ کیوں نہ کہا۔ اور اپنی حکومت کو مضبوط بنانے کے لئے ہسپانی مسلمانوں کے اندر عباسیوں کے خلاف پروپگنڈا کیوں نہیں کیا۔ اگر ایک فیصد واقعات بھی ایسے ہوتے جیسے بیان کئے جاتے ہیں تو ہسپانوی تالیفات میں عباسیوں کے مظالم اسی طرح بیان ہوتے جیسے سبائی کتابوں میں امویوں اور عباسیوں کے مظالم کی داستانیں ہیں۔

راقم الحروف نے اپنی دوسری تالیف میں اموی اکابر کے تذکرے کئے ہیں جو عباسی خلفاء کے ندیم و مصاحب تھے اور تعلقات مصاہرت بھی امویوں اور عباسیوں میں قائم رہے تھے۔

قبل الخلافۃ (صفحہ ۳۱۶ جلد ۸ البدایہ والنہایہ)

(یعنی عبدالملک کو مصعب سے بہت محبت تھی اور خلافت سے پہلے دونوں آپس میں دوست تھے)

عبدالملکؒ نے طرح طرح سے کوشش کی کہ مصعبؓ جدال و قتال سے باز آجائیں اپنے بھائی کا ساتھ چھوڑ دیں تو عراق کی حکومت پر فائز کر دیئے جائیں۔ مگر وہ نہ مانے مجبوراً عبدالملکؒ نے عراق پر تسلط قائم کرنے کے لئے شام سے لشکر کشی کی کوفہ کے قریب مقام مسکن میں سخت رن پڑا۔ اموی خلیفہ کی فوج کے میمنہ کی کمان امیر یزید بن امیر معاویہؓ کے فرزند عبداللہ کر رہے تھے اور میسرہ کی کمان ان کے بھائی خالد بن امیر یزید بن امیر معاویہؓ۔ مصعب کے امیر لشکر ابراہیم بن الاشتر تھے جن کو عبداللہ بن امیر یزیدؒ نے سخت حملہ کر کے قتل کر دیا۔ گھمسان کی لڑائی کے وقت عبدالملکؒ نے پھر کوشش کی کہ مصعب ہٹ جائیں، اپنے بھائی محمد بن مروانؒ کو ان کے پاس بھیجا کہ ان کو امان دیں۔ مگر انہوں نے یہ کہہ کر قبول نہ کی:۔ ان مثلی لا ینصرف عن ھذا الموضع الا غالباً او مغلوباً۔ یعنی "مجھ جیسا اس موقع سے سوائے غالب یا مغلوب ہونے کے نہیں ہٹ سکتا۔" پھر ان کے بیٹے عیسیٰ بن مصعب کی جان بچانے کی کوشش کی گئی۔ محمد بن مروانؒ نے ان سے کہا۔

"اے بھتیجے اپنی جان ہلاکت میں مت ڈالو، تم کو امان ہے۔"

ان کے باپ نے بھی یہ سن کر ان سے کہا کہ "تمہارے یہ چچا تم کو امان دے رہے ہیں، قبول کر لو ہٹ جاؤ!"

بیٹے نے جواب میں کہا لا یتحدث نساء قریش انی اسلمتک للقتل (صفحہ ۳۱۷) یعنی میں قریش کی خواتین سے یہ کہلانا نہیں چاہتا کہ میں نے آپ کو قتل ہو جانے کے لئے چھوڑ دیا۔

پھر کہا: واللہ لا یتحدث عن قریش انی فررت من القتال (یعنی واللہ میں قریش کی زبانوں سے یہ کہلوانا نہیں چاہتا کہ لڑائی سے میں بھاگ پڑا۔

یہ تھی ذہنیت سادات قریش و شجاعان عرب کی۔ بنرد آزمائی اور جدال و قتال کے عین وقت بھی مصعب جب قتل ہو گئے۔ عبدالملکؒ کو اس کا ملال ہوا اور کہا۔

لقد کان بینی وبین مصعب صحبۃ قدیمۃ وکان احب الناس الی ولکن ھذا الملک عقیم (صفحہ ۳۱۶ ایضاً) یعنی مجھ میں اور مصعب میں پرانی دوستی تھی مجھے وہ سب لوگوں سے زیادہ محبوب تھے لیکن سلطنت کی حالت بانجھ عورت کی سی ہے اس میں تعلقات کا لحاظ نہیں ہوتا۔

ان باتوں کا ذکر کرنے سے راقم الحروف اہل فکر کو متوجہ کرنا چاہتا ہے کہ حکومت و سلطنت کے حصول کی کشمکش اور سیاسی رقابت کے سلسلہ میں حضرت علیؓ کی وفات کے تیس ۳۰ اکتیس ۳۱ برس بعد جو واقعات پیش آئے پھر اس کے ایک صدی بعد بنی امیہ کی خلافت کا خاتمہ ہوا اس کا حال حضرت علیؓ جیسی بزرگ ہستی کی زبان سے جو مدت العمر نوع انسان کے سب سے بڑے ہادی و معلم الاخلاق کی تعلیم و صحبت سے مستفیض رہے، جن الفاظ میں شروع ہوتا ہے الا ان اخوف الفتن عندی علیکم فتنۃ بنی امیۃ الخ یعنی "آگاہ ہو جاؤ تمہارے لئے میرے نزدیک بدترین فتنہ بنی امیہ ہیں۔ بے شک یہ اندھے اور تاریک فتنے ہیں۔ الخ"

خطبہ نمبر ۱۲۰ میں حضرت مروانؓ کے لئے کہلوایا گیا ہے کہ وہ حکومت کو اسی طرح چاٹے گا جیسا کتا اپنی ناک کو چاٹتا ہے اور وہ چار مینڈھوں کا باپ ہے۔ اور قریب ہے کہ امت کو اس کے اور اس کے بیٹوں کے ہاتھ سے سرخ موت نصیب ہو شارح نہج البلاغۃ کے نزدیک ان چار سے مراد یا تو بنی عبدالملک ہیں یعنی الولیدؒ و سلیمانؒ و یزیدؒ و ہشامؒ یا بنو مروانؒ ہیں، یعنی عبدالملکؒ، عبدالعزیزؒ، و بشرؒ و محمدؒ ان میں سے اور ان کے دوسرے عزیزوں میں سے متعدد کو حضرت علیؓ۔ حضرت حسنؓ و حضرت حسینؓ اور دیگر اکابر بنی ہاشم کی دامادی کا شرف حاصل تھا۔ پھر ایک اور خطبہ نمبر ۱۲۳ میں بنی امیہ کے لئے جن میں سے بہتوں کو خود ان کی اولاد کی بیٹیاں بیاہی گئیں حضرت علیؓ کی زبان سے یہ الفاظ کہلوائے گئے ہیں۔

"خدا کی قسم۔ اگر میں زندہ رہا اور ان کے لئے باقی رہا تو میں انہیں اس طرح ٹکڑے ٹکڑے کر دوں گا جیسے قصاب خاک آلودہ اوجھڑی کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتا ہے۔"

اسلامی عقیدے میں سوائے باری تعالیٰ کے مخلوق میں سے کسی کو غیب کا

علم نہیں۔ سورۂ الانعام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا ہے:۔

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ۔

(اے رسول کہہ دیجئے میرے پاس نہ خدا کے خزانے ہیں، نہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں۔ نہ میں کوئی فرشتہ ہوں، میں تو اسی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی آتی ہے)

اسی طرح دیگر آیات میں اس کا اظہار ہے۔ لو فرضنا حضرت علیؓ اگر غیب داں بھی تھے اور ان کو اپنی وفات سے اکتیس برس بعد ہونے والے اس واقعہ کا علم ہو گیا تھا کہ عبد الملکؒ کے مقابلہ میں حضرت حسینؓ کے داماد مصعبؒ شوہر سیدہ سکینہ بنت الحسینؓ اور حضرت علیؓ کی فوج کے کمانڈر الاشتر کے فرزند ابراہیم مقتول ہونگے اور عبد الملکؒ کی گزندگی حیوانوں کی طرح کی ہوگی تو غور طلب امر یہ ہے کہ بنی اُمیہ اور بنی مروان میں سے اس قماش کے شخص کو اپنی دامادی کے شرف سے محروم رکھنے کی وصیت کیوں نہ فرمائی، کیوں اس کے اور اس کے بھائی معاویہ بن مروانؓ کے حبالۂ عقد میں دختران علی المرتضیٰؓ دی گئیں، کیوں بنی مروانؓ اور ان کی اولاد و احفاد سے "امام زادیوں" کے رشتہ مناکحت متواتر اور مسلسل طور سے جاری رہے اور کیوں آپس میں ایسا اتحاد ایسی محبت و مودت رہی کہ مروانی دامادوں کے فیاض ہاتھوں سے جو تخت خلافت پر فائز تھے بیک وقت تیس تیس ہزار اشرفیاں یہ "امام زادے" جوان کے خسر تھے حاصل کرتے رہے۔ کیا ان حالات اور واقعات سے یہ صاف اور صریح نتیجہ برآمد نہیں ہوتا کہ نہ حضرت علیؓ غیب داں تھے، نہ یہ کلام جو ان کی وفات کے تین سو ساٹھ برس بعد ان سے منسوب کیا گیا ہے ان کا کلام ہے جو مبتذل اور رکیک کلمات سے مملو ہے۔ حاشا جنابہ! اور نہ امویوں اور ہاشمیوں میں نسلی و خاندانی عداوت تھی۔

راقم الحروف نے چار سال قبل ۱۹۵۴ء میں جو مقالہ بعنوان "نہج البلاغۃ تاریخ کی روشنی میں" لکھا تھا (مطبوعہ رسالہ تاریخ و سیاسیات فروری ۱۹۵۴ء) اس میں علاوہ اور بہت سے شواہد کے ایسے عربی الفاظ کی فہرست بھی مستند کتب لغت کے حوالہ جات

سے پیش کی تھی جو "مولدۃ" کہلاتے ہیں، اور حضرت علیؓ کی وفات کے سینکڑوں برس بعد اس وقت عربی زبان میں رائج ہوئے۔ جب دیگر زبانوں سے مختلف علوم کی کتابوں کے عربی میں ترجمے ہونے شروع ہوئے۔ یہ الفاظ حضرت ممدوح کی زبان سے مولف نہج البلاغۃ نے متعدد خطبات میں ادا کرائے ہیں۔ جو بیّن ثبوت ان خطبات کے وضعی ہونے کا ہے اس سے بھی زیادہ اور قوی ثبوت نہج البلاغۃ اور اسی قسم کی دوسری تالیفات کی وضعی روایتوں کی تردید و تکذیب کے لئے صفین و کربلا کی خانہ جنگیوں کے بعد کی یہ قرابتیں ہیں جن میں سے نو قرابتوں کی تفصیلات اوپر درج ہو چکی ہیں۔

اولادِ حسینؓ کی قرابتیں

اب حضرت حسینؓ کی اولاد کی چند قرابتوں کا مجمل حال سنیئے:۔

۱۔ حضرت حسینؓ کی مشہور صاحبزادی سیدہ سکینہؓ نے اپنے شوہر مصعب بن زبیرؓ کے مقتول ہو جانے کے کچھ عرصہ بعد اپنا ایک نکاح اُموی اور مروانی خاندان میں امیر المومنین مروانؓ کے پوتے الاصبغ بن عبد العزیز بن مروانؒ سے کیا جو امیر المومنین عمر بن عبد العزیزؒ کے بھائی تھے، ان کی کنیت ابو زبان تھی اور ان کی دوسری زوجہ امیر المومنین یزیدؒ کی دختر اُم یزید تھیں۔ (جمہرۃ الانساب ابن حزم صفحہ ۹۶، ۹۷ و کتاب المعارف ابن قتیبہ صفحہ ۹۴ و کتاب نسب قریش صفحہ ۵۹)

۲۔ سیدہ سکینہ دختر حسینؓ کا ایک اور نکاح حضرت عثمان ذی النورینؓ کے پوتے زید بن عمرو بن عثمانؓ سے ہوا تھا۔ پھر اس اموی شوہر سے علیحدگی ہو گئی تھی (المعارف ابن قتیبہ صفحہ ۹۳ جمہرۃ الانساب صفحہ ۷۹ کتاب نسب قریش صفحہ ۵۹ و کتاب المحبر صفحہ ۴۳۰)

۳۔ حضرت حسینؓ کی نواسی ربیحہ بنت سیدہ سکینہ جو ان کے شوہر عبد اللہ بن عثمان بن عبد اللہ بن حکیم سے تھیں۔ امیر المومنین مروانؓ کے پر پوتے العباس بن الولید بن عبد الملک بن مروانؒ کو بیاہی گئیں (صفحہ ۵۹ کتاب نسب قریش مصعب زبیری)[1]

---

[1] غور طلب ہے ان اموی بزرگ کا نام عباس اور ہاشمی نز"

۴۔ حضرت حسینؓ کی دوسری صاحبزادی سیدہ فاطمہ کا نکاح ثانی اپنے شوہر حسن مثنیٰ کے بعد اموی خاندان میں عبد اللہ بن عمرو بن عثمان ذی النورینؓ سے ہوا جن سے حضرت حسینؓ کے دو اموی و عثمانی نواسے محمد الاصغر و قاسم اور ایک نواسی رقیہ پیدا ہوئے۔ (جمہرۃ الانساب صفحہ ۷۶ و مقاتل الطالبین صفحہ ۱۸۰ و کتاب نسب قریش صفحہ ۵۹)

۵۔ حضرت حسینؓ کے ایک پردوتے حسن بن حسین بن علی بن الحسین کی شادی اموی خاندان میں خلیدہ بنت مروان بن عنبسہ بن سعد بن العاص بن امیہ سے ہوئی تھی۔ اس امویہ خاتون کے بطن سے حضرت حسینؓ کے دو پردوتے محمد و عبد اللہ فرزندانِ حسن مذکور ہوئے۔ (جمہرۃ الانساب صفحہ ۵۷ و کتاب نسب قریش صفحہ ۷۴)

۶۔ حضرت حسینؓ کے ایک اور پردوتے اسحٰق بن عبد اللہ الارقط بن علی بن الحسینؓ کی شادی اموی و عثمانی خاندان میں سیدہ عائشہ بنت عمرؓ بن عاصم بن عثمان ذی النورینؓ سے ہوئی جن کے بطن سے حضرت حسینؓ کے عثمانی پردوتے یحییٰ بن اسحٰق مذکور ہوئے (جمہرۃ الانساب، صفحہ ۷۴ و کتاب نسب قریش صفحہ ۶۵)

دیگر قرابتیں

کربلا کے بعد کی یہ چھ قرابتیں تو خود حضرت حسینؓ کی اولاد کی اموی و مروانی خاندان میں ہوئیں اب ان کے بھائی عباس بن علیؓ اور دوسرے عزیزوں کی اولاد کی قرابتوں کا حال سنیئے۔

۷۔ حضرت حسین کے بھائی عباس بن علیؓ کی حقیقی پوتی سیدہ نفیسہ بنت عبید اللہ بن عباس بن علیؓ کی شادی امیر المومنین یزیدؒ کے حقیقی پوتے عبد اللہ بن خالد بن یزید بن معاویہؓ سے ہوئی اس علویہ خاتون کے بطن سے امیر المومنین یزیدؒ کے پڑپوتے علی و عباسؒ فرزندانِ عبد اللہ بن خالد بن یزیدؒ ہوئے (جمہرۃ الانساب صفحہ ۱۰۳ و کتاب نسب قریش صفحہ ۷۹)

ؔ فرزند کا نام معاویہ اور ان کے فرزند کا نام یزید۔

ؔ ان عزیزوں کے نام بھی ملاحظہ ہوں جو آل بیت خلافت امویہ میں۔

ان میں سے ایک علی بن عبد اللہ مذکور نے اپنے حسینی ماموؤں کی تحریک سے امیر المومنین مامون الرشید عباسیؒ کے خلاف بادعائے خلافت خروج بھی کیا تھا۔ ان کے دادا عباس بن علیؓ اپنے بھائی حضرت حسینؓ کے ساتھ کربلا میں مع اپنے دوسرے تین بھائیوں کے موجود تھے معرکۂ قتال میں شریک ہو کر مقتول ہوئے۔ منع آب کی وضعی روایتوں میں ان عباس بن علیؓ کو "سقائے اہلبیت" بھی کہا گیا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ کربلا میں نہ پانی کی بندش ہوئی اور نہ اس بندش کا کوئی امکان تھا۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ لیکن امیر المومنین یزیدؒ یا ان کے کسی عامل کے حکم یا اشارے سے اگر یہ وحشیانہ ظلم کیا گیا ہوتا تو ان "سقائے اہل بیت" کی پوتی ایسا ظلم ڈھانے والے کے پوتے کو کیوں بیاہی جاتی۔ ذرا سوچنے کی بات ہے۔ یہ رشتہ بھی اس زمانہ میں ہوا جب امیر المومنین یزیدؒ کے اپنے گھرانے میں سیاسی اقتدار بھی باقی نہ رہا تھا آل معاویہؓ کے بجائے آلِ مروانؒ خلافت پر فائز تھے۔ جن کے اپنے دادا اور دادا کے عزیزوں کو خوردسال بچوں تک کو جیسا کہ وضعی روایتوں میں بیان کیا جاتا ہے ایک ایک بوند پانی سے تڑپا تڑپا کر مارا گیا ہو۔ وہ ایسے مظالم توڑنے والوں کے گھر کیسے بیاہ کر جاتی اور کیوں کر اس رشتہ کو قبول کرتی اس رشتہ کے شواہد اس درجہ مستند و معتبر ہیں کہ شبہ کی گنجائش نہیں۔ کیا اس رشتہ کے ہونے نیز دوسری اسی قسم کی قرابتوں کے ہونے سے جو واقعۂ کربلا کے بعد مسلسل طور سے ہوتی رہیں۔ یہ نتیجہ برآمد نہیں ہوتا کہ مظالم کربلا و منع آب کی روایتیں ابو مخنف و ہشام وغیرہ جیسے سبائیوں کی وضع کردہ ہیں۔ یہی وہ مؤلفین و وضاعین ہیں جنہوں نے اس مبحث پر سب سے اول تالیفات کیں جن کے اقتباسات بعد کے مورخین اور مؤلفین نے اپنی کتابوں میں نقل کئے۔ مجالس اور مراثی میں بیان ہو کر زبان زد خاص و عام ہوتے گئے۔

اب اسی سلسلہ کی چند اور قرابتوں کا تذکرہ کہ وہ بھی صفین و کربلا کے بعد کے ہیں اس امر کی مزید وضاحت کی غرض سے کیا جاتا ہے کہ حسینی و جعفری و زینبی و عباسی اکابر اپنی بیٹیاں اموی خلفاء کو اور ان کے بیٹوں، پوتوں کو بیاہتے اور محبت و مودت کے تعلقات قائم رکھتے رہے۔

۱۔ حضرت علیؓ کے حقیقی بھتیجے حضرت محمد بن جعفر طیارؓ بن ابی طالب کی صاحبزادی

سیدہ رملہ کا نکاح حضرت مروانؓ کے پوتے سلیمان بن امیرالمومنین ہشام بن امیرالمومنین عبدالملک بن امیرالمومنین مروانؓ سے ہوا تھا۔ ان کے انتقال پر اس ہاشمیہ خاتون کا نکاح ثانی حضرت ابوسفیانؓ کے پوتے ابوالقاسم بن الولید بن عقبہ بن سفیانؓ سے ہوا۔ ان ابوالقاسم بن الولید کی والدہ ماجدہ سیدہ لبابہ بنت حضرت عبیداللہ بن العباسؓ بن عبدالمطلب یعنی حضرت حسینؓ کی رشتہ میں چچیری بہن تھیں اور ان کے اموی شوہر الولید بن عتبہ بن ابوسفیانؓ امیرالمومنین معاویہؓ کے بھتیجے اور حضرت حسینؓ کے زمانہ اقدام خروج میں مدینہ کے عامل تھے۔ ان ہی ولید کے فرزند ابوالقاسم کو جو امیر یزیدؒ کے بھتیجے ہوتے تھے۔ حضرت حسین کی یہ بھتیجی یعنی ان کے چچیرے بھائی محمد بن جعفر طیار کی صاحبزادی بیاہی گئیں
(کتاب المحبر صفحہ ۴۴۹ و جمہرۃ الانساب ابن حزم صفحہ ۱۰۲)

۲۔ حضرت حسینؓ کی حقیقی بھانجی سیدہ ام کلثوم بنت حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ بن ابی طالب جو سیدہ زینب بنت فاطمہ زہراؓ کے بطن سے تھیں، اول اپنے ابن عم قاسم بن محمد بن جعفر طیارؓ کے عقد میں آئیں۔ اس شوہر سے صرف ایک بیٹی ہوئی جو بالغ ہو کر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے فرزند حمزہ کو بیاہی گئی۔ ان سے اولاد بھی ہوئی۔ حمزہ کے فوت ہوجانے پر طلحہ بن عمر بن عبید اللہ تیمی سے نکاح ہوا۔ ان سے بھی اولاد ہوئی اور نسل چلی۔ ان ام کلثوم کا نکاح ثانی اپنے شوہر قاسم بن محمد مذکور کے فوت ہوجانے پر اموی گورنر مکہ و مدینہ حجاج بن یوسف ثقفی سے ہوا جن سے ایک بیٹی ہوئی۔ پھر زوجین میں علیحدگی ہوگئی۔ تیسرا نکاح اس ہاشمیہ و جعفریہ خاتون کا اموی خاندان میں ابان بن عثمان ذی النورینؓ سے ہوا۔ ان کے انتقال پر حضرت علی بن عبداللہ بن عباسؓ بن عبدالمطلب کے عقد میں آئیں (المعارف ابن قتیبہ ۹۱ و جمہرۃ الانساب ابن حزم صفحات ۶۱ و ۱۱۳ و کتاب نسب قریش صفحہ ۸۳)

۳۔ حضرت حسینؓ کے حقیقی چچیرے بھائی اور بہنوئی حضرت عبداللہ بن جعفر طیارؓ بن ابی طالب کی دوسری صاحبزادی سیدہ ام محمد جیسا کہ سابق میں ذکر ہوچکا امیر یزیدؒ کے بالہ عقد میں تھیں اور ان ام محمد کی حقیقی بہن ام ابیہا، امیرالمومنین عبدالملکؒ کی زوجہ تھیں، طلاق ہوجانے پر حضرت علی بن عبداللہ العباسؓ بن عبدالمطلب کے عقد میں آئیں۔
[illegible] ام محمد و ام ابیہا اور چار بھائی یحییٰ و ہارون و صالح و موسیٰ حضرت عبداللہ بن

جعفر طیار کی زوجہ ثانیہ لیلیٰ بنت مسعود بن خالد کے بطن سے تھے جو حضرت علیؓ کی بیوی تھیں۔ ان کی شہادت کے بعد حضرت عبداللہ نے ان سے عقد کر لیا تھا۔
(کتاب نسب قریش صفحہ ۸۳ و جمہرۃ الانساب ابن حزم صفحہ ۶۲)

۴۔ حضرت علیؓ کے ایک نواسے اور حضرت حسینؓ کے حقیقی بھانجے علی بن عبداللہ بن جعفر طیار جو سیدہ زینب بنت حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بطن سے ہونے کی بنا پر بعد میں "علی الزینبی" کہلائے۔ ان کی حقیقی پوتی سیدہ ربیحہ بنت محمد بن علی الزینبی کی شادی مروانی خلیفہ یزید بن عبدالملک بن مروانؓ سے ہوئی تھی۔ ان کے فوت ہوجانے کے بعد پھر وہ اسی اموی و مروانی خاندان میں بکار بن امیرالمومنین عبدالملکؒ کے عقد میں آئیں اور بکار اموی کے بعد صالح بن علی بن عبداللہ بن العباسؓ بن عبدالمطلب سے نکاح ہوا۔ (کتاب المحبر صفحہ ۴۴۰)

۵۔ حضرت حسینؓ کے سوتیلے بھائی حضرت محمد بن علیؓ (ابن الحنفیہؒ) کے فرزند ابو ہاشم عبداللہ کی صاحبزادی سیدہ لبابہ کی شادی اموی خاندان میں سعیدؒ بن عبداللہؓ بن عمروؓ بن سعیدؓ بن العاص بن امیہ سے ہوئی تھی۔ یہ ابو ہاشم عبداللہ علوی ایک شیعہ فرقہ کیسانیہ کے امام کہے جاتے ہیں (ص ۷۶ کتاب نسب قریش)

یہ سب بیسؓ قرابتیں بعد صفین و کربلا صرف حضرت علیؓ اور ان کے فرزندوں کی اولاد کی امیرالمومنین یزیدؒ اور ان کے دوسرے اموی عزیزوں سے ہوئیں ورنہ یوں تو بنوہاشم و بنوامیہ میں مناکحت و مصاہرت کا سلسلہ بوجہ ہم جد ہونے کے قبل اسلام سے جاری تھا۔ حضرت علیؓ کی پھوپھی حضرت صفیہؓ بنت عبدالمطلب حضرت معاویہؓ کے حقیقی چچا حارث بن حرب بن امیہ کو بیاہی گئی تھیں۔ اس اموی شوہر کے انتقال کے بعد عقد ثانی العوام بن خویلد سے ہوا جن سے حضرت زبیرؓ حواری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ دوسری پھوپھی حضرت علیؓ کی البیضاء ام حکیم بنت عبدالمطلب کی شادی بھی اسی خاندان میں کریز بن ربیعہ سے ہوئی تھی۔ حضرت علیؓ کی یہ پھوپھی حضرت عثمان ذی النورینؓ کی حقیقی نانی تھیں۔ اس رشتہ سے حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ کے ماموں زاد بھائی تھے۔ پھر حضرت معاویہؓ کی پھوپھی ام جمیل (حمالۃ الحطب) حضرت علیؓ کے چچا ابولہب کی زوجہ ہونے کی بنا پر ان کی چچی تھی اسلام کے بعد سے ان دونوں خاندانوں میں

قرابتوں کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ صفین اور کربلا کے بعد خاص کر حضرت علیؓ اور حضرت حسن و حسینؓ اور ان کے سوتیلے بھائیوں جناب عباسؒ و محمد الحنفیہؒ اور ان کی حقیقی بہن سیدہ زینبؓ کی اولاد کے رشتے اموی و مروانی خاندان میں بدستور ہوتے رہے۔ خود حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تین صاحبزادیوں کے رشتے اسی خاندان میں کئے اور اپنا ایک نکاح بھی آپؐ نے حضرت ابوسفیانؓ کی صاحبزادی ام المومنین ام حبیبہ صلوات اللہ علیہا سے اس زمانہ میں کیا تھا جب مکہ فتح نہیں ہوا تھا، اور یہ آیت نازل ہوئی تھی۔

عسیٰ ان یجعل بینکم وبین الذین عادیتم منہم مودۃ (سورۃ ۱۰۶ آیت ۷)

یعنی شاید اللہ تعالےٰ تمہارے اور ان کے درمیان جو تم سے عداوت رکھتے ہیں محبت پیدا کر دے۔

فکانت المودۃ تزوج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امّ حبیب بنت ابی سفیان فلان ابوسفیانؓ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبلک المودۃ

پس اسی محبت کی خاطر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کی دختر اُم حبیبہ سے نکاح کیا، جس کی وجہ ابوسفیان کے دل میں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نرمی پیدا ہوئی۔ پس یہی محبت کا موجب تھی

(صفحہ ۸۹ کتاب المحبر علامہ جعفر محمد متوفی ۲۴۲ھ)

جب اس نکاح کی خبر کسی نے ابوسفیان کو آکر سنائی۔ انہوں نے کہا، اچھا ہوا محمدؐ اس کے بہت اہل ہیں۔“ یہ بات سیدنا ابوسفیانؓ کے کفر کے زمانہ کی ہے۔

صلح حدیبیہ کے بعد سے کفار قریش کی آمدورفت اور میل جول مہاجرین دا ہل مدینہ سے ہونے لگا تھا۔ (ابوسفیانؓ اور ان کے بیٹے حضرت ام حبیبہؓ کے یہاں آتے جاتے تھے۔ کتاب نسب قریش میں یہ روایت بسند صحیح موجود ہے کہ ایک مرتبہ ابوسفیانؓ بیٹی سے ملنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں گئے۔ آپؐ سے اور ان سے دوران ملاقات میں گفتگو ہو رہی تھی، پاس کے لوگوں نے سنا کہ آنحضرت صلعم ان سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہے ہیں قبائل عرب کی حلیفی کا ذکر تھا۔ آپؐ نے فرمایا ابوحنظلہ (ابوسفیان کی کنیت) کیا تم بھی ایسا کہتے ہو؟ یعنی کفار قریش کا زعم تھا کہ ان کی وجہ سے قبائل عرب آنحضرت صلعم سے کھچے کھچے رہیں گے۔ آپؐ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ تم سے تو میری قرابت ہے

تم ان کے ہمنوا کیوں ہو۔ اسی زمانہ میں یعنی فتح مکہ سے قبل ہی اللہ تعالےٰ نے ہدایت دی اور حضرت ابوسفیانؓ نے اسلام قبول کیا۔ منافقین نے اس غلط روایت کو بہت شہرت دی کہ فتح مکہ کے زمانہ میں حضرت عباسؓ نے آنحضرت صلعم کے فرمانے سے ان کو ایسی جگہ کھڑا کیا تھا تاکہ لشکر اسلام کی شان و شوکت دیکھیں اور اسلام لائیں حالانکہ یہ قطعاً باطل ہے۔ وہ اس سے پہلے ہی مسلمان ہو گئے تھے اور اس نوید کے ساتھ ان کو مکہ بھیجا گیا تھا کہ ”من دخل دار ابی سفیان فہو امن“ یعنی جو ابوسفیانؓ کے گھر میں پناہ لے وہ محفوظ ہے۔

فتح مکہ کے بعد ہجرت نہیں رہی تھی مگر حضرت ابوسفیانؓ اور ان کے صاحبزادوں کو آنحضرت صلعم نے مدینہ میں رکھا جس سے ثابت ہے کہ وہ فتح مکہ سے پہلے ہی اسلام لاتے تھے۔ پھر ان کو نجران کا والی مقرر کیا۔ وہی نجران جہاں رومی اقتدار ابھی پوری طرح مضمحل نہیں ہوا تھا۔ ایسے سرحدی علاقے پر نہایت معتمد اور مخلص مدبر ہی متعین کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ اسی عظیم ترین اعتماد کی بنا پر آنحضرت صلعم نے یہ عہدۂ جلیلہ ان کو عطا فرمایا تھا۔ اسی طرح ان کے فرزند حضرت یزیدؓ کو تیمار کا والی مقرر کیا۔ اور وحیٔ الٰہی کی کتابت کے لئے بھی ان میں سے ایسے ہی مخلص ترین شخص کا انتخاب کیا جا سکتا تھا۔ جس کی عظمت ایمانی و طہارت قلبی مسلّم ہو۔ چنانچہ آپ کے کاتبان وحی میں حضرت معاویہؓ شامل تھے۔ منافقین قبحہم اللہ کہتے ہیں کہ انہیں کتابت وحی کے لئے نہیں بلکہ سرکاری خط و کتابت کے لئے مقرر کیا تھا۔ گویا ان کے نزدیک نبی کی رسالت اور نبی کی امامت میں کوئی ایسا فرق ہے کہ اس کے لئے امانت، وایمان ضروری نہ ہو۔ مگر کون کہہ سکتا ہے کہ قیصر و کسریٰ وغیرہ کو جو نامہ ہائے مبارک لکھے گئے وہ وحی الٰہی کے تحت نہ تھے۔ رسول اللہ صلعم نے اپنے ان اموی خسر حضرت ابوسفیانؓ اور ان کے خاندان کو مدینے میں رکھا۔ عہدہ ہائے جلیلہ پر فائز کیا۔ حضرت ابوسفیانؓ غزوۂ طائف میں آنحضرتؐ کے ساتھ تھے ایک آنکھ کفار کے تیروں سے شہید ہوئی۔ طائف کا بت خانہ انہوں نے ہی توڑا تھا۔ یرموک کے جہاد میں دوسری آنکھ بھی راہِ خدا میں نذر ہو گئی۔ وہ شام کے جہادوں میں جہاں ان کے فرزند کو حضرت صدیق اکبرؓ نے امیر عسکر اسلامی کی حیثیت

سے متعین کیا تھا نہایت بہادری سے دادِ شجاعت دیتے رہے۔ پھر حضرت فاروق اعظم رضؓ نے حضرت معاویہؓ کو ان کے بھائی حضرت یزیدؒ کے طاعون عمواس میں فوت ہوجانے پر ان کی جگہ متعین کیا۔ انہوں نے اس خوبی اور عدل وتدبر سے اس اہم سرحدی علاقہ کا انتظام کیا کہ حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنی تمام مدتِ خلافت میں صرف انہی کو برابر اس عہدہ پر قائم رکھا۔ حالانکہ حضرتِ موصوف نے کسی عامل کو جن میں صحابہ کبارؓ شامل تھے اس طرح ہمیشہ ایک جگہ قائم و متعین نہیں رہنے دیا۔

حضرت ام المومنین ام حبیبہؓ کے رشتے سے حضرت معاویہؓ حضرت فاطمہ زہراؓ کے ماموں اور ان کے صاحبزادوں حضرت حسنؓ و حسینؓ کے نانا ہوتے تھے۔ اپنے ایام خلافت میں حضرت معاویہؓ اور اُن کے فرزند امیر المومنین یزیدؒ نے ان سے جو حسنِ سلوک کیا۔ گرانقدر وظائف وعطایا مقرر کئے ان کا ذکر پہلے ہوچکا ہے۔ حضرت عثمانؓ کی مظلومانہ شہادت کے بعد جو فتنہ اٹھا اور نوبت جنگ وجدل کی پہنچی اور بعد میں صلح پر منتج ہوئی، وہ سیاسی اختلافات تک محدود رہی۔ بعض لوگوں کا یہ بیان کہ حضرت علیؓ و حضرت معاویہؓ میں جو مخالفت پیدا ہوئی۔ اس کا یہ تھا کہ ان کی اولاد میں بھی اسی شدت کے ساتھ جھگڑے ہوتے رہے۔ حقائق تاریخ کے قطعاً خلاف ہے صفین اور کربلا کے بعد کی یہ قرابتیں اور ان کی تفصیلات ان لوگوں کے اس دعوے کے بطلان کے لئے کافی ہیں۔ ہاشمی واموی زوجین کے لئے یہ رشتے اور ان کی طرح کے اور رشتے جن کی تفصیلات راقم الحروف کی دوسری تالیف میں پیش کی گئی ہیں، مبارک ثابت ہوئے۔ اولادیں ہوئیں، نسلیں چلیں، عثمانی وسفیانی ومروانی گھرانوں میں علوی وحسنی نواسے نواسی اور حسنی وحسینی گھرانوں میں اموی ومروانی نواسے نواسی صفین وکربلا کے بعد پیدا ہوتے بڑھتے پھولتے پھلتے رہے۔

جناب عباس بن علیؓ کے نواسے علی بن عبد اللہ بن خالد بن امیر المومنین یزیدؒ فخریہ کہا کرتے تھے کہ "میں شیخان وسرداران صفین کا پوتا ہوں"۔

یہ قرابتیں زندہ ثبوت ہیں ان دونوں خاندانوں کی آپس کی محبت ومودت کا اتحاد واتفاق کا نہ کہ مخاصمت وعناد کا۔ جس کے بارے میں وضاعین نے بے بنیاد روایتیں وضع کیں۔ کتابوں میں درج کیں اور زمانہ مابعد میں سیاسی اختلافات کو مذہبی

جامہ پہنانے اور واقعات تاریخ کو مسخ صورت میں پیش کرنے کی طرح طرح سے کوششیں کی گئیں۔

راس الحسینؓ

حادثہ کربلا کے بعد کی ان قرابتوں اور شادی بیاہ کے رشتوں کے ہوتے ہوئے جن کی تفصیلات اوپر پیش ہوچکی ہیں اور ان ہی میں ان ہاشمیوں کی اولاد کی قرابتیں بھی شامل ہیں جو یا تو کربلا میں مقتول ہوئے تھے۔ جیسے جناب عباس بن علیؓ یا مجروح ہوکر صحیح سلامت واپس آئے تھے، جیسے جناب حسن مثنیٰ داماد حضرت حسینؓ۔ مظالم کربلا کی اگر کچھ بھی اصلیت ہوتی تو یہ کیونکر ممکن ہوسکتا تھا کہ کربلا کے بعد بھی یہ ہاشمیہ وعلویہ وحسینیہ خواتین اسی خاندان میں اور ان ہی امویوں اور سفیانیوں کو بیاہی جاتیں اور ان ہی کی رفیقۂ زندگی بنتیں جن کے قریب ترین عزیزوں نے، جن کے باپ دادا نے، جن کے تایا، چچا نے جیسا بیان کیا جاتا ہے۔ ان ہاشمیہ وعلویہ وحسینیہ خواتین کے قریبی عزیزوں کو، ان کے باپ دادا کو، ان کے تایا چچا کو ایک ایک بوند پانی سے تڑپا تڑپا کر پیاسا مارا ہو، بھیانک سے بھیانک مظالم توڑ کر قتل کرایا ہو۔ ان ہی خواتین کی دادیوں نانیوں کو، خاندانِ رسالت کی مخدرات پردۂ عصمت وعفاف کو بے پردہ اور مکشوف الوجوہ پھرایا ہو۔ مقتولین کے سر کٹوائے ہوں، ان کی تشہیر کرواکر اپنے پاس منگواتے ہوں، ان بے جانوں کے ہونٹوں اور دانتوں پر چھڑیاں ماری ہوں، ان کے سروں کو خزانے کے صندوقوں میں بند کرکے رکھا ہو۔ نعشوں کی اس درجہ بے حرمتی کروائی ہو کہ گھوڑوں کی ٹاپوں سے سینہ وپشت چکنا چور کرا کے بے گور وکفن ڈلوا دیا ہو، پس ماندگان کو لٹوا کر قیدیوں کی طرح تشہیر کروائی ہو، غرضیکہ درندگی اور بہیمیت کا کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا ہو تو ان حالات میں ایسے خونخوار قاتلوں اور ایسے سفاک وخون آشام خاندان والوں سے کیا یہ ہاشمیہ وعلویہ وحسنیہ خواتین اگر ذرہ بھر بھی اصلیت مظالم کی ان وضعی روایتوں کی ہوتی کسی حال میں اور کسی صورت میں بھی اپنے شادی بیاہ کے رشتوں کو، مناکحت ومصاہرت کے خیال تک کو گوارا کرسکتی تھیں؟ صنف نازک خصوصاً ہاشمیہ خواتین کی غیرت وحمیت کو زمانہ جانتا ہے۔ جان جائے پر آن نہ جائے پھر ان کی رگوں میں تو ان اسلاف کا خون دوڑتا تھا جن کو اپنی عزت نفس کی خاطر جانیں تک دے ڈالنے میں زر ومال کو پشیز دنیاوی کے برابر بھی نہ سمجھتے تھے ان کی

کی زبانِ حال سے تو کہا گیا ہے ؎

عرقِ غیرت تھی دلیل اپنی شرافت کی نہ مال!
جھینپتی ہے جس سے دولت وہ شرافت ہم میں تھی

ساری دنیا کی دولت بھی ملتی تب بھی یہ رشتے اگر داستان ہائے مظالم کی ذرّہ بھر حقیقت ہوتی ہرگز قبول و منظور نہ ہوتے۔ اب دو ہی صورتیں ہیں یا تو یہ ماننا پڑے گا کہ مظالم کربلا کی یہ ساری داستانیں جو آب و تاب سے بیان کی جاتی ہیں محض کذب و افترا ہیں یا پھر کربلا کے بعد کے ان رشتوں اور قرابتوں کی تفصیلات صحیح نہیں مگر ان کی صحت و صداقت و اصلیت کا واضح و بیّن اور جیتا جاگتا ثبوت قطع نظر تصریحات کتب انساب و تاریخ کے وہ اولادیں ہیں جو ان رشتوں سے عالم وجود میں آئیں اور ان سے نسلیں چلیں اور باقی رہیں۔ ابھی آپ جناب عباس بن علیؓ برادر حسینؓ کی حقیقی پوتی سیدہ نفیسہ بنت عبید اللہ بن عباس بن علی بن ابی طالب کے امیر المومنین یزیدؒ کے حقیقی پوتے عبد اللہ بن خالد بن یزیدؒ کے حبالہ عقد میں آنے کا حال پڑھ چکے ہیں۔ ان کے بطن سے کئی بیٹے ہوئے جن سے نسلیں چلیں۔ اس ہاشمیہ خاتون کے والد عبید اللہ جو تقریباً بارہ برس کی عمر کے اپنے والدین کے ساتھ کربلا میں بذاتِ خود موجود تھے۔ سب واقعات ان کے اپنی آنکھوں دیکھے تھے پس اگر منع آب اور وحشیانہ مظالم کی کچھ بھی اصلیت ہوتی تو۔ سقائے اہل بیت" کے یہ فرزند دلبند اپنی نور دیدہ کو اس گھر میں بیاہ کر کیوں اور کس دل سے بھیج سکتے تھے' جہاں ان کے والد ہی کا کٹا ہوا سر لا کے رکھا گیا ہو۔ جہاں ان کے چچا حضرت حسینؓ کے سر کی بے حرمتی کی گئی ہو، جہاں ان کے دوسرے چچوں اور عزیزوں کے سروں کا ایک انبار لگ گیا ہو! ان رشتوں کی اور ان حالات کی روشنی میں مقتولین کو ظلم و جور سے قتل کرانے، سر کٹوا کر منگوانے کی روایتیں کیا محض غلط اور بے اصل اور اختراع نہیں ہیں؟ نہ کوئی باقاعدہ جنگ ہوئی نہ مقتولین کے سر جسم سے جدا ہوئے نہ ان کی تشہیر کی گئی وہ ایک حادثہ المیہ تھا جو برادران مسلم اور ان کے ساتھ چند کوفیوں کے فوجی دستہ پر ناعاقبت اندیشانہ حملہ کر دینے سے یکایک پیش آگیا اور گھنٹے آدھ گھنٹے میں ختم ہو کر فریقین کے مقتولین کو نماز جنازہ پڑھ دفن کروا دیا گیا تھا۔

سبائی راویوں سے جن کی یہ روایتیں ہی اصل ماخذ ہیں اس حادثہ کے حالات کا اپنے مقاصد کے لئے وہ انبار لگایا ہے کہ رائی کا پہاڑ بنا دیا ہے درایتاً نظر ڈالی جائے تو با آسانی مستور حقیقت منکشف ہو جاتی ہے۔ علامہ شبلیؒ نے "موازنہ انیس و دبیر" ایک موقع پر واقعات کربلا کے بارے میں لکھا ہے کہ :-

"کربلا کے واقعات جو میر انیس اور تمام مرثیہ گویوں کے موضوع شاعری ہیں جہاں تک تاریخ اور روایت سے ثابت ہوتا ہے نہایت مختصر ہیں معرکہ کے لحاظ سے اس واقعہ کربلا کی صرف یہ حیثیت ہے کہ ایک طرف سو سوا سو آدمی تشنہ لب اور بے سر و سامان تھے، دوسری طرف تین چار ہزار کا مجمع تھا جو دفعتہً ٹوٹ پڑا اور تین گھنٹے میں لڑائی کا خاتمہ ہو گیا۔"

علامہ موصوف کے پیش نظر، قال ابو مخنف والی روایتیں ہوں گی۔ جن کی بھرمار طبری میں ہے اور طبری سے دوسروں نے اخذ کیا ہے ورنہ ان حقائق پر توجہ فرماتے جو ان اوراق میں پیش کئے گئے ہیں تو نہ تشنہ کا ذکر فرماتے نہ تین چار ہزار کے دفعتہً ٹوٹ پڑنے کا۔ خود ابو مخنف کی ایک وضعی روایت میں جو امیر المومنین کی خدمت میں حادثہ کی رپورٹ پیش ہونے کے بارے میں ہے۔ کہا گیا ہے کہ "واللہ اے امیر المومنین یہ معاملہ بس اتنی دیر میں ختم ہو گیا جتنی دیر میں اونٹ کو صاف کرتے ہیں یا جتنی دیر کے لئے آنکھ جھپک جائے" فو اللہ یا امیر المومنین ما کان الا جزر جزور او نومۃ قائل (طبری ج ۶ ص ۲۶۶) اس اعتبار سے بھی گھنٹہ آدھ گھنٹہ ہی کا معاملہ ہو سکتا ہے۔

مؤلف ناسخ التواریخ نے "در ذکر دفن شہدائے بنی ہاشم در کربلا" کے عنوان سے یہ تو تسلیم کیا ہے کہ حضرت حسینؓ کے کفن و دفن کا انتظام ان کے صاحبزادے علی ابن الحسین (زین العابدین) نے کیا تھا کیونکہ ایک امام کی تدفین و تکفین دوسرے امام کے سوائے اور کوئی نہیں کر سکتا اور اس وقت سوائے "امام زین العابدینؒ" کے روئے زمین پر کوئی دوسرا امام نہ تھا۔ ساتھ ہی یہ بھی فرماتے ہیں کہ تیسرے دن یعنی ۱۲ محرم کو با عجازِ امامت کوفہ سے پوشیدہ طور سے کربلا آئے نماز جنازہ

پڑھی اور دفن کر کے لوٹ گئے۔

ہنگام دفنِ پدر حاضر شد و بر آں جسد مبارک نماز بگذاشت و امر او را کفایت کرد و مراجعت نمود۔ (درج کتاب دویم صفحہ ۳۱۸)

اپنے والد کے دفن میں موجود رہے اور اس جسد مبارک پر نماز پڑھی اور ان کے کام (تدفین) کو پورا کیا اور لوٹ گئے۔

بہرحال نماز جنازہ پڑھ کر دفن کیا جانا ثابت ہے۔ جب اس حادثہ کی اطلاع ہوئی کوفہ سے لوگ نماز جنازہ میں شریک ہوئے۔ حضرت خالدؓ[۵] بن عقبہ بن ابی معیط اُموی صحابی جو کوفہ میں ساکن تھے حضرت حسینؓ کے جنازے کی نماز میں شریک تھے "شہد جنازۃ الحسین" (جمہرۃ الانساب صفحہ ۱۰۶) تو کیا سر بریدہ لاشوں کی نماز جنازہ ادا کی گئی تھی؛ انہی راویوں کے دوسرے بیانات سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ مقتولین میں سے نہ کسی کا سر کاٹا گیا نہ تشہیر کی گئی۔ امام ابن تیمیہؒ نے سرِ حسینؓ کے یزید کے پاس بھیجے جانے سے انکار کیا ہے (الوصیۃ الکبریٰ صفحہ ۳۰)

خود یہ روایتیں ہی خصوصاً مقتولین اور حضرت حسینؓ کے سر کی تدفین کی اس درجہ متضاد ہیں کہ اپنی تکذیب آپ ہی کرتی ہیں مثلاً تدفین "راس الحسین" کے سات آٹھ مقامات مختلف دیار و امصار میں بیان کئے گئے ہیں، جن کی تشریحات ناسخ التواریخ وغیرہ سے اخذ کر کے ذیل کی جدول میں درج کی جاتی ہیں[۶]۔ علامہ ابن کثیرؒ نے بیان کیا ہے کہ سر کے جسم سے جدا کرنے کی روایت متفق علیہ نہیں اور یہ بالکل بدیہی ہے کہ اگر خدانخواستہ ایسا ہوتا تو ایک سر کی تدفین مختلف مقامات پر کیونکر ممکن ہو سکتی تھی۔

---

[۵] ان کی بہن ام کلثومؓ بھی صحابیہ و مہاجرہ تھیں۔ حضرت زید بن حارثہؓ کی زوجیت میں تھیں اور بھائی ان کے ولید بن عقبہ کوفہ کے والی بھی تھے حضرت خالد کی اولاد میں متعدد اشخاص محدث فقیہ ہوئے ان میں سے چند اندلس پا بسے تھے ان ہی میں عبداللہ بن عبیداللہ تھے جو دو واسطوں سے حضرت خالد کے پوتے تھے اندلس کے الجزائر الشرقیہ میں ان کی بیعت خلافت بھی ہوئی تھی۔

[۶] دیگر تالیفات میں اور بھی متعدد مقامات بیان کئے گئے ہیں ان سب کو شمار میں لایا جائے تو دس بارہ مقامات کا اور اضافہ ہو جائے گا۔

نمبر شمار	مقام تدفین	کیفیت تدفین کی وضعی روایات
۱	کربلا	حضرت حسین کے صاحبزادے علی بن الحسینؓ کو ان کے والد اور دوسرے مقتولین کے سر سپرد کئے گئے انہوں نے چالیس دن بعد کربلا آ کر دفن کئے (صفحہ ۳۶۷ ج ۲ از کتاب دوم ناسخ التواریخ)
۲	مدینہ منورہ	عامل مدینہ کے پاس سر بھیجدیا گیا وہاں بھی دو جگہ تدفین بیان کی گئی ہے (۱) حضرت فاطمہؓ کے پہلو میں جنت البقیع میں (۲) حضرت حسنؓ کے پہلو میں جو قبہ حضرت عباس عم رسول اللہ میں مدفون ہیں۔
۳	دمشق	تین دن تک دمشق کے دروازہ پر مصلوب رکھ کر باب الفرادیس دمشق میں دفن ہوا (ناسخ التواریخ)
۴	عسقلان	دمشق کو جب یہ سر بھیجے جا رہے تھے وہاں کے عمل نے سرِ حسینؓ لیکر وہیں دفن کر دیا تھا (ایضاً)
۵	نجف	ملک شام کو جب یہ سر جا رہے تھے ایک غلام نے حضرت کا سر پر (غلامے آں سر مبارک سرقت نمود (صفحہ ۳۶۶ ج ۲ ناسخ التواریخ) میں ہے کہ علیؓ کے پہلو میں دفن کر دیا۔
۶	خزانہ یزید میں تیس برس تک محبوس رہ کر مقابر مسلمین میں دفن ہوا	سلیمان بن عبدالملک متوفی ۹۹ھ نے خزانہ بنی امیہ سے یہ سر حسب الحکم آنحضرت صلعم جو خواب میں ملا تھا نکال کر مقابر مسلمین میں دفن کرا دیا۔
۷	خزانہ بنی امیہ میں ۷۵ برس محبوس اور کسی میدان میں دفن ہوا۔	۱۳۲ھ میں عباسیوں کی فوج نے جب خزانہ بنی امیہ لوٹا ایک سپاہی کو ایک تھیلی ملی کھول کر دیکھا پارچہ حریر میں لپٹا ہوا یہ سر تھا اور پارچہ پر لکھا ہوا تھا اس نے دیکھتے ہی اسی میدان میں جہاں تھیلی کھولی تھی دفن کر دیا۔
۸	قاہرہ (مصر)	تقریباً پانسو برس بعد یعنی ۵۴۸ھ میں عبیدیوں کے سپہ سالار نے عسقلان سے منتقل کر کے قاہرہ (مصر) میں دفن کرا دیا جہاں اب شہید حسینؓ کی عالیشان عمارت ہے۔

سر کٹوا کر تشہیر کرانے کی مکذوبہ روایتیں

سرِ حسینؓ کے مختلف دیار و امصار میں دفن کئے جانے کی تصریحات کے ساتھ

جناب محمد (الباقر)ؒ کا یہ قول بھی نقل کیا گیا ہے کہ
(ناسخ التواریخ ص۲۷۱) یعنی حسینؓ کا سر جسم کے ساتھ ہے اور جسم سر کے ساتھ
یہ بھی کہتے ہیں کہ دمشق سے جب سر واپس ہو کر ابن زیاد کے پاس کوفہ میں آیا اس خوف
سے کہ کہیں کوئی فتنہ سر نہ نکالے سر کو نہ کوفہ میں دفن کرایا نہ کربلا میں بلکہ نجف میں قبر علیؓ
میں دفن کرا دیا چونکہ علی و حسین نور واحد ہیں، اس لئے سر اپنے ہی جسم سے پیوستہ
رہا "پس آں سر ہمایوں با جسد خویش پیوستہ است" (ایضاً)، مگر مولف "مجاہد اعظم"
نجف میں سر کے دفن کئے جانے کی روایت کو مستند نہیں سمجھتے اور یہ ریمارک کرتے ہیں کہ
"اس زمانہ میں جناب امیرؑ کے مزار پر انوار کا حال سوائے ائمہ اہلبیت کے کسی اور
شخص کو معلوم نہ تھا[1] (ص۳۰۲) اور یہ تاریخی حقیقت بھی ہے کہ قبر علیؓ کے وجود کا تین
سوا تین سو برس تک کسی کو بھی علم نہ تھا۔ بنی بویہ کے عہد امیر الامرائی میں عضد الدولہ دیلمی
متوفی ۳۷۲ھ نے نجف میں یہ مزار بنوایا تھا ظاہر ہے کہ جب قبر علیؓ کا حال معلوم ہی نہ تھا تو

---

[1] مورخین نے حضرت علیؓ کی تدفین کے بارے میں مختلف روایتیں لکھی ہیں ایک یہ کہ حسنؓ جب عراق سے مدینہ جانے لگے اپنے والد ماجد کی نعش کو صندوق میں رکھ کر اور کافور وغیرہ ڈال کر اونٹ پر بار کرایا تاکہ مدینہ میں اپنی والدہ محترمہ کے پہلو میں دفن کریں۔ یہ شہرت تو عام طور سے پھیل گئی تھی کہ بڑا خزانہ بھی ساتھ لے جا رہے ہیں بنی طے کے علاقہ سے جب قافلہ گذرا رات کو ڈاکہ پڑا۔ یہ سمجھ کر کہ صندوق میں بھی مال ہے ڈاکو وہ اونٹ بھی ہانک کر لے گئے۔ پھر پتہ نہ چلا کہ ڈاکوؤں نے میت کا کیا کیا کہاں دفن کرا دیا۔ خطیب بغدادی اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ نجف میں حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی قبر ہے اگر روافض کو معلوم ہو جائے کہ یہاں کس کی قبر ہے تو وہ سنگ باری کریں
(ج۱ ص۱۳۹) ابن خلکان میں بھی اسے حضرت مغیرہؓ کی قبر بتایا ہے کیونکہ قبر علیؓ کا پتہ نہیں صاحب عمدۃ الطالب نے کہا ہے کہ خلیفہ ہارون الرشیدؒ کو حضرت علیؓ کی ایک کرامت سے آپ کی اس[2]

تدفین سر کی یہ حکایت محض وضعی ہے اور اسی سے اس روایت کی بھی تکذیب ہو جاتی
ہے کہ کوفہ سے جب مقتولین کے سر دمشق جا رہے تھے ایک غلام نے سر حسینؓ چرا لیا۔
"آں سر مبارک را دزدید" (حیات القلوب ص۵۶۶) اور قبر علیؓ میں دفن کر دیا۔ سر چرا بھی
لیا ہو تو راہِ دمشق سے قریب تر مقام کربلا ہی تھا، اسے چھوڑ کر نجف میں جہاں قبر علیؓ کا اس
زمانہ میں نام و نشان بھی نہ تھا کیسے دفن کر دیا۔ مولف "مجاہد اعظم" اسی سلسلہ میں یہ بھی کہتے
ہیں کہ "جہاں تک اپنے قیاس اور اجتہاد سے کام لیتے ہیں ہمیں اقرب الی الصورت یہی معلوم
ہوتا ہے کہ فرق منور جسد کے ساتھ ایک ہی مقام پر دفن ہے"۔ (ص۳۰۲) نجف و مدینہ
(عسقلان) و قاہرہ میں سر کے مدفون ہونے کی روایتوں کو وہ "یقینی اور متفقہ" نہیں سمجھتے
اور یہ بھی نہیں مانتے کہ علی بن الحسین (زین العابدینؑ) نے دوبارہ کربلا آ کر دفن کیا ہو کیونکہ
بقول ان کے وہ دوبارہ کربلا آئے ہی نہیں اس لئے مولف موصوف فرماتے ہیں کہ "ہم کو
اس روایت کے کہ عمر بن عبدالعزیز نے آپ کے سر مبارک کو دمشق سے کربلا بھجوایا
مان لینے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں" (ص۳۰۲)۔ اب اس روایت کو بھی سن لیجئے جس کے
"مان لینے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں" وہ روایت یہ ہے:۔

"چوں نوبت (خلافت) بعمر بن عبدالعزیز افتاد از مدفن او (سر حسین) محقق نمود و آں زمین را نبش کرد و آں سر مبارک را ماخوذ داشت و کس ندانست کہ آں سر چہ صنعت کرد و چوں گماں میرود کہ دیندار بود تو اند شد کہ بکربلا فرستاد و باجسد مطہر ملحق ساخت۔
(ناسخ التواریخ ج از کتاب دوم ص۲۷۸)

جب نوبت (خلافت کی) عمر بن عبدالعزیز تک پہنچی (سر حسین) کے مدفن کی تحقیق و تلاش کی اور اس زمین کو کھدوایا اور اس سر مبارک کو قبضہ میں کیا لیکن پھر کسی نے یہ نہ جانا کہ اس سر کے ساتھ کیا گیا چونکہ گمان یہ ہوتا ہے کہ وہ دیندار شخص تھے ہو سکتا ہے کہ کربلا بھجوا دیا ہو اور جسم مطہر کے ساتھ ملحق کر دیا ہو۔

---

[2] اس قبر کا حال معلوم ہو گیا انہوں نے قبر بنوائی تھی پھر عضد الدولہ دیلمی نے یہ مزار بنوا دیا مگر بقول دے خوئے یہ جگہ نامعلوم ہے جہاں علی دفن ہوئے۔
(انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا گیارہواں اڈیشن)

امیر المومنین عمر بن عبد العزیز اموی کا زمانہ خلافت ۹۹ھ سے ۱۰۱ھ تک کل دو برس پانچ مہینے رہا یعنی حادثہ کربلا کے تقریباً چالیس برس بعد بس اگر اس روایت کے مان لینے کے سوا چارہ نہیں" تو ساتھ ہی یہ بات بھی مان لینے کی ہے کہ اس مدت چہل سال میں چند ہڈیوں کے سوا اور کیا باقی رہا ہوگا جو دمشق اور کربلا کے مدفنوں کو یوں کھدوا ڈالا جاتا۔

اور یہ کام بھی وہ اموی خلیفہ کرتے یا کراتے جو عالم فاضل تھے زمرہ تبع تابعین میں شامل تھے اور شخصیت پرستی کی توہمات سے بالا تھے۔ مولف موصوف اس بارے میں مزید تفحص سے کام لیتے تو انہیں یہ بات بھی مان لینے کے سوا چارہ نہ ہوتا کہ مقتولین کے سر نہ جسم سے جدا کئے گئے اور نہ تشہیر کرائی گئی۔ خود ملا باقر مجلسی اس بات کا اعتراف کرنے کے بعد کہ "در سر مبارک سید الشہدا خلاف میان عامہ بسیار است وذکر اقوال ایشاں فائدہ ندارد" فرماتے ہیں کہ:۔

"حضرت رسولؐ آں سر گرامی را با خود بردو در آں شکے نیست کہ آں سر و بدن باشرف اماکن منتقل گردید در عالم قدس بیکدیگر ملحق شد ہر چند کہ کیفیت آں معلوم نشد۔
(جلاء العیون ص۵۰۴)

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سر گرامی کو اپنے ساتھ لے گئے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ سر اور بدن دونوں اشرف اماکن کو منتقل ہو گئے اور عالم قدس میں ایک دوسرے سے ملحق ہو گئے ہر چند اس کی کیفیت کسی کو معلوم نہ ہو سکی۔

ملا صاحب کے اس ارشاد کے ساتھ طرماح بن عدی کی وہ "حدیث" بھی پیش نظر رکھیے جو ابو مخنف نے روایت کی ہے، یعنی طرماح کہتے ہیں کہ میں "کشتگان یوم طف" کے درمیان سخت زخمی پڑا تھا۔ کوئی مجھے زندہ نہ جانتا تھا کہ اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ بیس سوار سفید لباس پہنے ہوئے پہنچے اور ان کے آتے ہی تمام میدان مشک کی خوشبو سے مہک اٹھا۔ میں نے سمجھا کہ یہ عبید اللہ بن زیاد ہوگا اور چاہتا ہوگا کہ تن مبارک حسینؓ کو مثلہ کرے کہ ان سواروں میں سے ایک سوار جسد حسین کے پاس آکر گھوڑے سے اتر پڑے اور بیٹھ گئے اس وقت کہ سرہائے شہداء کو کوفہ کی جانب لے جا رہے تھے۔ ... صاحب نے کوفہ کی جانب اشارہ کیا کہ ناگاہ سر حسینؑ

آن پہنچا اور ان کے جسم کے ساتھ ملحق ہو گیا! "سر حسینؑ در رسید و با تنش ملحق گشت (ناسخ التواریخ)، طرماح کا بیان ہے کہ ان صاحب نے اس کے بعد یہ الفاظ کہے "یا ولدی قتلوک اتراھم ما عرفوک ومن شرب الماء منعوک (اے میرے بیٹے دیکھا تجھے قتل کر دیا، تجھے نہ پہچانا اور تجھے پانی منع کر دیا) یہ کہہ کر اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ

یا آبی آدمؑ ویا آبی ابراھیمؑ ویا ابی اسمٰعیلؑ ویا اخی موسیٰ ویا اخی عیسیٰ اما ترون ما صنعت الطغاۃ بولدی۔ لا انالھم اللہ شفاعتی۔
(ص۳۱ ایضاً)

اے بابا آدم اور اے دادا ابراہیم اور اے آبا اسمٰعیل اور اے برادر موسےٰ اور اے بھیا عیسےٰ! دیکھا تم نے کہ باغی ظالموں نے میرے بیٹے کے ساتھ کیا کیا۔ اللہ ان کو میری شفاعت سے محروم رکھے۔

طرماح کا کہنا ہے کہ یہ سنتے ہی میں سمجھ گیا کہ یہ تو رسول اللہؐ ہیں اور ان کے ساتھ یہ سب انبیاء ہیں، اب دیکھیے کہ راویوں کے بیان ہی سے ثابت ہے کہ رسول اللہؐ کے معجزے سے اور انبیاء کرام خصوصاً باوا آدمؑ کی موجودگی میں سر حسینؓ جسد حسین سے پیوست و ملحق ہو گیا تھا اور ایک اور روایت کے بموجب ام المومنینؓ ام سلمہ سے خواب میں آنحضرت نے فرما دیا تھا کہ میں حسین کو دفن کر کے آیا ہوں نیز ملا باقر مجلسی کے بموجب آنحضرتؐ جب اس کو اپنے ساتھ لے گئے اور عالم قدس میں سر و بدن دونوں پیوست ہو کر جا پہنچے تھے نیز جب علی بن الحسینؓ باعجاز امامت کربلا پہنچے تھے اور "متصدی کفن و دفن" ہو کر اپنے والد کے جنازے کی نماز پڑھی تھی اور تدفین کر کے لوٹ گئے تھے علاوہ بریں جب ابو مخنف کی روایتوں میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ جناب فضہ خادمہ حضرت زہراءؓ عراقی شیر "ابو الحارث" کو آپ کے جسم بے جان کی حفاظت کے لئے آئیں تھیں اور اس ہیبت ناک شیر کو دیکھتے ہی عمر بن سعدؓ اور ان کے فوجی جو سر کاٹنے آئے تھے ڈر کر یہ کہتے ہوئے

سند ام المومنین حضرت ام سلمہؓ جن کا وضعی روایتوں میں ذکر آتا ہے حادثہ کربلا سے ڈیڑھ برس پہلے فوت ہو گئی تھیں۔

بھاگ گئے تھے کہ یہ فتنہ ہے اسے مت چھیڑو۔

" راہ لشکر راگردانید وازیں عزیمت برگشت (جلاء العیون ص۴۵۲) جب یہ لوگ سر کاٹ لینے کے ارادے سے بھی پلٹ گئے تھے اور قبل تدفین جب لاش کی خود حضرت علیؓ بصورت شیر ہائل المنظر و ہیبتِ عظیم" حفاظت کرتے رہے تھے (ناسخ التواریخ ص۴۰۳)، تو بریدن سر مبارک کی اور ممنتت دیار و امصار میں اس کی تشہیر کی روایتیں کیا محض وضعی و من گھڑت نہیں ہیں۔

علاوہ بریں یہ سب روایتیں تو حضرت حسینؓ ہی کے ایک سر کے بارے میں ہیں دیگر مقتولین کے سروں کی تدفین کا کہیں کسی تاریخ و تذکرے میں مطلق کوئی ذکر نہیں۔ خود مولف "مجاہد اعظم" فرماتے ہیں:

" دوسرے شہدائے کربلا کے سروں کے متعلق تمام تاریخیں خاموش ہیں اس لیے ہم کو بھی بجز خاموش رہنے کے چارہ نہیں۔" (ص۳۰۳)

مگر تعداد ان سروں کی دو چار دس پانچ تو نہ تھی۔ صاحب ناسخ التواریخ نے اکٹھے (۸۶) سر شمار کرائے ہیں اور کہا ہے کہ چالیس اونٹوں پر لدکر گئے تھے۔ بہر حال تعداد (۸۶) ہو یا (۲۷)، غیر لوگوں کے سروں کے بارے میں خاموشی رہتی تو اتنے اچنبھے کی بات نہ ہوتی مگر خود حضرت حسینؓ ہی کے بیٹوں، بھائیوں، بھتیجوں بھانجوں، جوانانِ بنی ہاشم و نونہالانِ اہلبیت کے سروں کے بارے میں یہ سب تاریخیں کیوں خاموش ہیں، ان کے سروں کا آخر کیا ہوا۔ یہ سب کہاں دفن ہوئے کس نے دفن کئے۔ کب دفن کئے۔ حضرت حسینؓ کے بڑے صاحبزادے علی اکبر تو امیر المومنین یزیدؒ کے رشتے میں بھانجے تھے ان کے سر کو خلیفہ وقت اور ان اہل خاندان نے کہاں دفن کرایا۔ پھر حضرت حسینؓ کے سوتیلے بھائیوں عبداللہ (محمد الاکبر) و عباس و جعفر و عثمان کے سروں کو تو کہا جاتا ہے ان کے رشتہ کا ماموں شمر بن الجوشن[۱] ہی لے کر گیا تھا پھر ان بھانجوں کے سروں کا ماموں نے

---

[۱] شمر بن ذی الجوشن اور حضرت علیؓ کی زوجہ ام البنین والدہ عباس و عثمان و جعفر و عبداللہ ایک ہی قبیلہ بنو کلاب سے تھے شمر کے جد اعلیٰ معاویہ جس کا لقب الضباب تھا اور ام البنین کا جد اعلیٰ عامر بن کلاب دونوں حقیقی بھائی تھے (جمہرہ ابن حزم ص۱۶۵) کہا جاتا ہے کہ

کیا کیا؛ کہاں دفن کرایا۔ دمشق میں یا شام کے کسی اور مقام میں دفن ہوئے ہوتے تو مدفنوں کا کہیں کچھ تو پتہ نشان ملتا۔ کیا ان سروں کے بارے میں مورخین کی خاموشی معنی خیز نہیں! سیدہ[۲] سکینہ بنت الحسینؓ جو کوفہ یا کربلا سے دمشق آئیں اور وہاں سے مدینہ، حادثہ کربلا کے ۵۵ برس بعد تک زندہ رہیں وضعی روایتوں میں کہا گیا ہے کہ دمشق کے قید خانہ میں بچپن میں وفات پائی چنانچہ دمشق میں ایک چھوٹی سی مصنوعی قبر بھی ان کی بتائی جاتی ہے۔ مگر ان ہی سکینہ کے بھائیوں، چچوں اور دوسرے عزیزوں کے سروں کے مدفنوں کا کہیں کچھ پتہ نشان نہیں حالانکہ ان کے سر بھی جیسا وضعی روایتوں میں تفصیلاً بیان ہوا ہے اسی قافلہ کے ساتھ دمشق آئے جس میں سکینہ بھی تھیں تو پھر ان سروں کا آخر کیا ہوا۔ دفن ہوئے ما نہیں۔

مرلڑائی سے پیشتر شمر نے یہ کہہ کر این بنو اختی عبداللہ و جعفر و عثمان و عباس۔ (کہاں ہیں میرے بھانجے عبداللہ و جعفر و عثمان و عباس)، انہیں امان دی تھی (ص۲۴۱ ناسخ التواریخ)، شمر اپنے قبیلہ کا ممتاز شخص تھا عراق کی سیاسی پارٹیوں میں سے ایک پارٹی کا لیڈر تھا اس کے مخالفین نے اس پر وحشیانہ شقاوت کے افعال خبیثہ کے جو اتہامات لگائے ہیں خاص کر حضرت حسینؓ کے قتل اور آپ کے سر مبارک کو جسد اطہر سے جدا کرنے کے وہ من گھڑت ہیں اور پایہ تحقیق کو نہیں پہنچتے۔ جنگ صفین میں شمر حضرت علیؓ کے کیمپ میں تھا۔ اس کے والد صحابی جلیل تھے (البدایہ ج۸ ص۱۸۸)۔ الصمیل بن حاتم بن شمر بن ذی الجوشن الضبابی الکلابی اندلس میں عالی مرتبت ہوا اور صاحب نسل۔ شمر بن کے دادھیالی رشتہ کے دادا حضرت سولہؓ بن کینف رسول اللہ کے صحابی اور حضرت ابو ہریرہؓ کے ہم جلیس ایسے فصیح و بلیغ تھے کہ "ذاللسانین" کہلاتے تھے۔ اسی قبیلہ سے غازی عبدالعزیز بن زرارہ تھے جو امیر یزیدؒ کے ساتھ بلاد روم میں عیسائیوں سے جہاد میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے حضرت معاویہؓ نے ان کے والد سے تعزیت کرتے ہوئے انہیں "سید العرب" کہا تھا۔

[۲] سیدہ سکینہ اپنے زمانہ کی ممتاز خواتین بنی ہاشم میں سے تھیں۔ ان کے شوہر مرتے گئے۔ کئی نکاح کئے جن میں سے دو بنی امیہ کے خاندان میں کئے تھے تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

مزید براں جب ان تفصیلات کو بھی پیش نظر رکھا جائے جو سروں کی مختلف دیار و امصار میں گشت کرانے کے بارے میں ان سبائی راویوں نے بیان کی ہیں تو ان کے وضعی و من گھڑت ہونے کے متعلق کوئی شبہ باقی نہیں رہتا۔ کہتے ہیں کہ یہ سر اس تفصیل سے بھیجے گئے۔ قیس[1] بن اشعث سردار بنی کندہ کے ہاتھ (١٦) شمر بن الجوشن سرہنگ ہوازن کے ہاتھ (١٢) جماعت بنی تمیم (١٧) گروہ بنی اسد (١٨) مردم مذحج (٧) دیگر قبائل (١٦) میزان کل (٨٦) یہ تفصیلات ناسخ التواریخ سے اخذ کی گئیں ورنہ مشہور تعداد (٧٢) ہے۔

---

[1] ناسخ التواریخ میں قیس ابن اشعث کو "قائد قبیلہ کندہ" لکھا ہے۔ بنو کندہ کے مشہور قائد حضرت اشعث رضؓ بن قیس کندی صحابی تھے۔ وہ حضرت ابوبکر الصدیق رضؓ کے بہنوئی بھی تھے اور جنگ صفین میں حضرت علی رضؓ کے کیمپ میں اپنے قبیلہ کے سردار کی حیثیت سے موجود تھے اور ثالثی کی تجویز کے زبردست موید تھے۔ مالک الاشتر جنگ جاری رکھنے پر تلا ہوا تھا انہوں نے دھمکی دی تھی اور حضرت علی رضؓ سے باصرار جنگ ملتوی کرائی تھی۔ انہی کی بیٹی جعدہ بنت اشعث رضؓ زوجہ حسن بن علی رضؓ تھیں جن پر یہ تہمت تراشی گئی ہے کہ انہوں نے اپنے شوہر کو زہر دیکر مار دیا تھا۔ ان کے بھائی محمد بن اشعث بن قیس رضؓ جو حضرت ابوبکر الصدیق کے حقیقی بھانجے تھے (کتاب نسب قریش ص۴۴۲) اپنے والد ماجد حضرت اشعث رضؓ کے سنہ ۴۰ھ میں فوت ہو جانے پر اپنے قبیلہ کے قائد ہوئے یہ وہی محمد بن اشعث رضؓ ہیں جن کے بارے میں کہا گیا ہے کہ مسلم بن عقیل کو امان کا وعدہ دیکر گرفتار کرا دیا تھا۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ کربلا میں حضرت حسین رضؓ کے مقابل موجود تھے مگر آپ کی بددعا سے مر گئے تھے۔ ان کے کوئی بھائی قیس نام کے نہ تھے اور نہ قائد بنو کندہ ان کے سوا کوئی اور تھا۔ قبیلہ کندہ عراق کا زبردست قبیلہ تھا اور اس کے سردار کو قدیم الایام سے حاکمانہ اقتدار حاصل رہا تھا۔ انہی محمد بن اشعث کے فرزند عبدالرحمٰن بن محمد بن اشعث بن قیس تھے جنہوں نے اموی خلیفہ عبدالملک اور ان کے مشہور گورنر حجاج بن یوسف کو حصول خلافت کی گھمسان لڑائیوں میں زبردست شکستیں دی تھیں بالآخر دیر جماجم کے خونین معرکہ میں ہزیمت اٹھا کر بھاگے اور بالآخر کابل پہنچ کر خاتمہ ہوا۔ دے خوئے نے اپنے مقالہ میں اس خاندان کو

کوفہ و عراق والجزیرہ و ملک شام کی بستیوں و شہروں میں تشہیر

سبائی راویوں نے یہ اتہام بھی تراشا ہے کہ:۔

یزید بن معاویہ فرمان کرد کہ سرہائے شہدائے اہل بیت رسول خدا را شہر بشہر و دیہ بدیہ بگردانند تا شیعان علی بن ابی طالب پند گیرند و از خلافت آل علی مایوس گردند و دل در طاعت یزید بہ بندند لاجرم لشکریان اہل بیت را با تمام شماتت و ذلت کوچ می دادند و بہر قریہ و قبیلہ در میبردند۔
(ناسخ التواریخ ص۳۴۴)

یزید بن معاویہ نے حکم دیا کہ شہیدوں کے سر اور رسول خدا کے اہل بیت کو شہر بہ شہر اور گاؤں در گاؤں پھرایا جائے تاکہ شیعان علی بن ابی طالب کو نصیحت ہو اور وہ خلافت آل علی سے مایوس ہوں اور یزید کی اطاعت دل سے کریں لہذا حکومت کے لشکری اہل بیت کو رسوائی اور ذلت کے ساتھ پھراتے اور ہر گاؤں اور قبیلہ کے درمیان لے جاتے تھے

ایک شیعہ اہل قلم مولف "مجاہد اعظم" ہی اس کی تردید میں کم از کم کوفہ میں تشہیر ہونے کے متعلق تو یہ فرماتے ہیں کہ:۔

"کوفہ جناب امیر کا دارالسلطنت رہ چکا تھا، باوجود کوفیوں کی اس قدر بے وفائی اور غداری کے اب بھی وہاں ہزاروں ہواخواہانِ اہل بیت موجود تھے جو خوفِ جان و مال و آبرو سے کسی قسم کی جنبش نہ کر سکے۔ مگر ایسی کارروائی جو خاندان رسالت کی توہین اور تذلیل کو انتہائی حد تک پہنچانے والی تھی ضرور ان کے لئے اشتعال انگیز اور ہنگامہ عظیم پیدا کرنے

ص

(قدیم شاہی خاندان کندہ) کہا ہے ایسے عالی خاندان کے قائد سردار کا نام مقتولین کے سر کوفہ و دمشق لے جانے کے سلسلہ میں اس طرح لینا جس ذہنیت کا ثبوت ہے۔ ان وضعی روایتوں کے مضمون سے بھی ہر سمجھدار شخص کو اس کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

والی ہوتی اور کوئی مدبر اور سیاست دان ایسی فاش اور خطرناک غلطی کا جو عام
جذبات کو ہیجان میں لانے والی ہو ارتکاب نہیں کرسکتا تھا (ص۲۸۶)

مولف موصوف واقعات کا اگر غیر جانبدارانہ جائزہ خالی الذہن ہو کر لے سکتے تو یہ حقیقت بھی ان پر منکشف و ہویدا ہو سکتی تھی کہ کوفہ کے علاوہ دیگر مقامات پر اس طرح تشہیر جس کی کیسی کچھ تفصیلات طاویوں نے پیش کی ہیں یقیناً اشتعال انگیز و ہنگامہ خیز ثابت ہوتی اور کوئی حکمران ایسی فاحش غلطی کا ارتکاب نہیں کرسکتا تھا جو عوام کے جذبات کو ہیجان میں لانے والی ہو۔ قطع نظر اس بات کے خود روایتوں میں دیو مالائی انداز کی جو خرافات ہے وہ بیّن ثبوت ہے کہ کس مقصد سے ابو مخنف لوط وغیرہ نے جن کو ایمہ رجال کذاب کہتے ہیں، ان داستانوں کو وضع کیا تھا۔ مثلاً کہا گیا ہے کہ کوفہ کے گلی کوچوں میں جب مقتولین کے سروں کو گشت کرایا جا رہا تھا حسینؓ کا سر مبارک تلاوت کلام اللہ میں مصروف تھا۔ سورۂ کہف کی آیتیں زبان پر جاری تھیں۔ اس کی تصدیق میں حضرت زید بن ارقمؓ صحابی کا نام لیا گیا ہے کہ ان کی بیٹھک کے سامنے سے جب یہ سر بریدہ گذرا انہوں نے اپنے کانوں سنا کہ اَم حسبتَ اَنَّ اَصْحَابَ الْکَہْفِ وَالرَّقِیْمِ کَانُوْا مِنْ آیَاتِنَا عَجَباً کی تلاوت کر رہا ہے یہ سنتے ہی ان پر عجب کیفیت طاری ہوگئی اور کہنے لگے کہ

" اے پسرِ رسول خدای سرِ مبارک تو ہزار بار عجیب تر است از قصہ اصحاب کہف والرقیم" (ص۳۳۲)

جب ایک شخص حارث بن وکیدہ کے دل میں کچھ شک سا ہوا، سرِ حسین سے آواز آئی یا ابنَ وَکِیْدَۃ اَمَا عَلِمْتَ اِنَّا مَعْشَرَ الْاَئِمَّۃِ اَحْیَاءٌ عِنْدَ رَبِّنَا۔ (ص۳۳۲ ایضاً)

یعنی " اے ابن وکیدہ! کیا تو نہیں جانتا کہ ہم ائمہ ہدیٰ اپنے رب کے پاس زندہ موجود ہیں" گشت کے بعد جب ابن زیاد کی مجلس میں سرِ حسین کا لایا جانا بیان کیا ہے، حضرت زید بن ارقمؓ کو بھی وہاں موجود بتایا ہے تاکہ ایک صحابی کی زبان سے اس وضعی حکایت کی بھی تصدیق کرالی جائے کہ جب ابن زیاد نے دندانِ مبارک پر چھڑی کی نوک ماری، حضرت زیدؓ نے منع کیا اور کہا کہ میں نے رسول اللہ کو

چومتے دیکھا ہے وہ باز نہ آیا بلکہ انہیں "عدو اللہ" کہہ کر قتل کی دھمکی دی (ص۳۳۲) تو روتے پیٹتے باہر نکلے (ولعویل و نالہ فریاد برداشت و از نزد او بیروں شد) اور وہاں کے عرب باشندوں کے سامنے تقریر کر کے انہیں ابن زیاد کے خلاف بھڑکایا اور کہا۔

" اے مردم عرب! اے عبید عباد! کشتید پسر فاطمہ را و بہ سلطنت اسلام داد ید پسر مرجانہ را تا بکشید اخیار شما الخ (ص۳۳۲ ایضاً)

مگر ان کی تقریر کا بھی کوئی اثر کسی پر نہ ہوا۔ ابن جریر طبری نے ان واہی روایتوں کو نوک پلک سے درست کر کے یعنی سرِ حسین کے تلاوت سورۂ کہف اور تکلم وغیرہ کی حکایتوں میں سے ابن زیاد کے دندانِ مبارک پر چھڑی مارنے اور حضرت زیدؓ کے معترض ہونے کی وضعی روایت کو منتخب کر کے اپنی کتاب میں درج کر دیا پھر کیا تھا جو مورخ و مولف بھی حادثہ کربلا کے بارے میں لکھنے بیٹھے آنکھ بند کر کے نقل در نقل کرتے رہے۔ درایتاً نظر ڈالنے کی زحمت گوارا نہ کی۔ ابن جریر طبری ہی کی متعدد روایتوں سے ثابت ہے کہ کوفہ کے پاس سے یہ سن کر کہ وہاں اب کوئی ناصر و مددگار نہیں۔ ربا حسینؓ نے وہ راستہ اختیار کیا جو کربلا ہو کر سیدھا دمشق جاتا ہے تاکہ خلیفہ وقت سے بیعت کر کے معاملہ ختم کریں (اضع یدی فی ید یزید بن معاویۃ فیری فیما بینی و بینہ رایہ (طبری ص۲۲۵ ج۶) تاکہ میں اپنا ہاتھ یزید بن معاویہ کے ہاتھ میں دے دوں کہ وہ میرے اور ان کے درمیان جو معاملہ ہے فیصلہ کر دیں۔"

وہ اس مقصد سے چل رہے تھے کہ بعض کوفیوں نے کربلا کے موقع پر پھر ورغلانے کی کوشش کی۔ صوبہ کے حکام نے جیسا کہ بیان ہو چکا صورت حال کا جائزہ لے کر مطالبہ کیا کہ یا تو ہمارے ہاتھ پر خلیفہ کی یہیں بیعت کرلیں ورنہ قافلہ کے ساتھ جو آلات حرب ہیں وہ ہمیں سپرد کر دیں تاکہ ان کوفیوں کی دراندازی کا سدباب ہو جائے جو آپ کے قافلہ کے ساتھ تھے، چند اور بھی یہاں پہنچ گئے تھے۔ طبری ہی کا یہ بیان آپ پڑھ چکے کہ خلیفہ وقت کی گورنر ابن زیاد کو صریحاً ہدایت تھی کہ وہ اس وقت تک تلوار نہ اٹھائے جب تک اس کے خلاف تلوار نہ اٹھے اس ہدایت اور صریح حکم کی خلاف ورزی کا ارتکاب نہیں کیا جا سکتا تھا۔ برادران مسلم اور کوئی جماعت کی جو قافلہ کے ساتھ تھے ناعاقبت اندیشی سے یکایک تلوار چل پڑی اور یہ حادثہ حزن انگیز پیش آگیا۔ ان حالات میں کون

صحیح العقل یہ باور کر سکتا ہے کہ پس ماندگان کو کربلا سے پھر واپس کوفہ لایا گیا یا مقتولین کے سر ان کے جسموں سے جدا کئے گئے۔ ابن جریر طبری اور خود ابی مخنف وغیرہ نے زہیر بن قین کی گفتگو کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں جو کہا جاتا ہے انہوں نے اس وقت کہے تھے جب خلیفہ وقت کے پاس جاتے ہوئے اس بنا پر جس کا ذکر ہوا راستہ روکا جا رہا تھا مطالبہ ہو رہا تھا کہ ہتیار رکھدیں ۔

خلوا بين هذا الرجل وبين ابن عمه يزيد بن معاوية فلعمري ان يزيد ليرضى من طاعتكم بدون قتل الحسين (طبری ج ۶ ص ۲۴۳)	ان صاحب (حسینؓ) کو ان کے ابن عم یزید بن معاویہ کے پاس جانے دو (ان کا راستہ مت روکو) میری جان کی قسم یزید تمہاری طاعت گزاری سے حسینؓ کے قتل کے بغیر راضی رہیں گے۔

مقتولین کے سروں کی اور پس ماندگان قافلہ کی جب تشہیر ہی کوفہ میں بقول شیعہ مولف "مجاہد اعظم" نہیں کی گئی تو کربلا سے ان لوگوں کا کوفہ لایا جانا کیوں اور کس غرض سے! کیا اس مقصد سے جو راویوں نے بیان کیا ہے کہ کوفہ سے قادسیہ پہنچایا گیا وہاں سے ایک مقام "شرقی الحساصہ" اور وہاں سے دریائے فرات پار کر کے تکریت پھر متعدد مقامات پہ ہوتے ہوئے موصل وہاں سے پھر کئی سو میل کا چکر کاٹ کر نصیبین و قنسرین و حماب و حماۃ و حمص و بعلبک ہو کر دمشق۔ نقشہ پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہو سکے گا کہ راویوں نے اپنے سیاسی مقصد کے پیش نظر سروں اور پس ماندگان کی تشہیر کے عراق و الجزیرہ و نواح دیار بکر اور ملک شام کے یہ مقامات گنائے ہیں جن کی مسافت صرف نقشہ کے اسکیل ہی سے ناپ کر تقریباً نو سو میل (انگریزی) ہوتی ہے وہ کسی طرح بھی لائق اعتبار نہیں خصوصاً وہ حکایتیں اور افسانے جو اس سلسلے میں شرح و بسط کے ساتھ بیان ہوئے ہیں جنکی ایک دو مثالیں بھی سنتے چلئے۔ مثلاً پہلی ہی منزل میں جب پڑاؤ ڈالا پچاس سواروں نے جو سر حسینؓ کے صندوقچہ کی حفاظت پر مامور تھے، مجلس آراستہ کی اور شراب پی پی کر مدہوش ہو گئے ان میں سے صرف ایک محافظ جس نے شراب نہ پی تھی جاگ رہا تھا کہ یکایک آسمان پر سخت کڑک اور چمک پیدا ہوئی آسمان کے دروازے کھلے "دیدی دیدکہ آدم و نوح و ابراہیم و اسمٰعیل و اسحٰق و خاتم انبیاء محمد مصطفیٰ"

آسمان سے نیچے اُترے۔ جبریل مع فرشتوں کی ایک جماعت کے ان کے ساتھ تھے آتے ہی جبریل نے سر حسین کے صندوقچہ کو کھولا اسے چوما اور اپنے سینے سے چمٹایا پھر سب نبیوں نے ایسا ہی کیا اور سب رونے لگے اور حضرت مصطفیٰؐ سے تعزیت کرنے لگے، جبریل نے کہا کہ کہئے تو میں زمین کو آپ کی امت پر اسی طرح الٹ کر دوں جس طرح قوم لوط پر کی تھی آپ نے فرمایا کہ میں تو بارگاہ خداوندی میں ان سے حساب لوں گا۔ پھر چند فرشتوں نے کہا کہ خداوند تعالےٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ان پچاس آدمیوں کو ہلاک کر دیں، چنانچہ فرشتوں نے ۴۹ کو اس طرح ہلاک کر دیا کہ ان کے جسم خاکستر ہو گئے وہ ایک بچ گیا، جس کی زبانی یہ افسانہ بیان ہوا ہے (ناسخ التواریخ ص ۲۴۲) اسی طرح کے اور متعدد لغو افسانے بیان ہوئے ہیں یعنی راستے میں چند نصرانی اور راہب بھی مسلمانوں کے اپنے نبی کی ذریت پر ظلم ڈھانے اور سر حسینؓ کے معجزے دیکھ دیکھ کر مسلمان ہوئے اور ایک جگہ بقول ابو مخنف ہاتف نے یہ شعر بھی پڑھے اور دوسری روایت میں ہے کہ ایک بڑے قلم نے یہ شعر دیوار راہب پر لکھ دیئے جن میں "ہاتف" تک نے "بنی زیاد" پر لعنت بھیجی ہے اور کہا ہے کہ جس امت نے حسینؓ کو قتل کیا وہ "یوم حساب" میں کیا ان کے نانا کی شفاعت کی امید کر سکتی ہے۔ پہلا شعر تو یہی تھا ؎

اَترجوا اُمَّةٌ قَتَلَتْ حُسَيناً ‏ ‏ ‏ ‏ شَفَاعَةَ جَدِّهٖ يَوْمَ الحِسَابِ

اسی طرز و لہجے میں اثنائے راہِ دمشق کے من گھڑت قصوں کا انبار لگا دیا ہے جن پر سرسری نظر ڈالنے سے صاف عیاں ہو جاتا ہے کہ ان کے بیان سے حادثہ کے تاریخی حالات کا اظہار مقصود نہیں بلکہ مطلب "راوی" دیگر است، ان میں سے دو ایک آپ بھی سنیئے، کہتے ہیں کہ موصل کے باشندوں نے جس وقت یہ خبر سنی کہ سر حسینؓ ان کے شہر میں لایا جا رہا ہے وہاں کے انصاریوں کی دونوں شاخوں (اوس و خزرج[1]) کے چالیس ہزار سوار اکھٹے ہو کر نکل پڑے۔

اجتمعوا في اربعين الف فارس من الاوس والخزرج وتحالفوا ان يقتلوا ويأخذوا منهم راس الحسينؓ	اوس و خزرج کے چالیس ہزار سوار مجتمع ہو گئے اور اس بات پر حلف لیا کہ ان لوگوں کو قتل کر کے ان سے سر حسینؓ چھین

[1] روایت گھڑنے والے کو شاید معلوم نہ تھا کہ خود مدینہ میں انصاریوں تعداد کبھی اس تعداد سے ۴

ويد فنوه عندهم ليكون فخراً لهم الى يوم القيامة (ص۱۳ مقتل ابی مخنف)

لیں اور اپنے یہاں لاکر اسے دفن کردیں تاکہ قیامت کے دن تک یہ ان کے لئے موجب عزو افتخار رہے۔

مگر ابن زیاد کے فوجی ان انصاری سواروں سے بھی زیادہ چالاک نکلے کہ بیرونِ شہر سے ہی صاف بچ کر چل دیئے اور یہ چالیس ہزار دیکھتے دیکھتے رہ گئے اور تدفین سرِ حسین کی دائمی برکت اور عزو افتخار سے یکسر محروم ہو گئے۔ وہ تو سبتبور کے لوگ ہی ان سے زیادہ نبرد آزما نکلے کہ ابن زیاد کے فوجیوں میں سے دو چار، دس پانچ کو نہیں چھ سو سواروں کو آناً فاناً قتل کر ڈالا اور ان کے صرف پانچ مارے گئے (ص۱۱۷)
آگے چل کر جب ایک عیسائی راہب کے صومعہ کے پاس پڑاؤ ڈالا ایک پہر رات گذری تھی کہ اس راہب نے گرج کے ساتھ تسبیح و تقدیس کے ذکر اذکار سنے باہر جھانک کر دیکھا تو اس صندوق میں سے جس میں سرِ حسین رکھا تھا، نور کی شعاعیں نکل نکل کر آسمان تک جا رہی تھیں، آسمان کے دروازے کھلنے لگے۔ فرشتے فوج در فوج اُترتے اور سرِ حسین کو مخاطب کر کے کہتے رہے۔

السلام عليك يا ابن رسول الله، السلام عليك يا ابا عبد الله صلوٰة الله وسلامه عليك۔ سفیدہ صبح نمودار ہوتے ہی راہب باہر نکلا اور محافظ دستہ کے سپاہیوں سے پوچھ کر جب اسے معلوم ہوا کہ یہ سرِ حسین ہے، "امه فاطمة الزهرا وجده محمد المصطفیٰ" ان کی والدہ فاطمہ زہرا اور نانا محمد المصطفیٰ ہیں تو راہب نے کہا تم پر ہلاکی ہو۔

لقد صدقت الاحبار فی قولها اذا قتل هذا الرجل تمطر السماء

ہمارے احبار (مسیحی علماء) اس صندوق کے بارے میں سچ کہتے تھے کہ جب یہ

---

[2] چوتھائی بھی نہ تھی جو کہ موصل میں ان کی بیان کر رہا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد تو سب کو معلوم ہے کہ آپ نے فرمایا تھا کہ انصاری تعداد میں گھٹتے جائیں گے: آپ کے وصال سے پچاس برس بعد مدینہ سے سینکڑوں کوس دور ان کی اتنی کثیر تعداد تا نا کہ ان کے چالیس ہزار سوار آن واحد میں مجتمع ہو جائیں۔ لغو بیانی کی انتہا ہے۔

دماً ولا يكون هذا الا يقتل نبيّ اووصی نبی۔ (ص۱۲۰ ایضاً)

صاحب قتل ہوں گے آسمان خون برسائے گا اور یہ بات ہو نہیں سکتی سوائے نبی یا نبی کے وصی کے قتل کے بغیر۔

راوی کہتا ہے کہ راہب نے دس ہزار درہم کے دو توڑے دے کر ایک گھنٹہ کے لئے سرِ حسین فوجیوں سے مانگ لیا، سینے سے لگا لیا، بوسے دیئے رویا اور کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ سرِ حسین سے عرض کیا کہ اپنے نانا کی شفاعت مجھے دلا دیجئے۔
صاحب ناسخ التواریخ بحر اللئالی اور شرح شافیہ کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ:

سرِ حسین با راہب تکلم فرمود و شفاعت او را در قیامت بزدمت نہاد (ج۲ از کتاب ششم ص۳۴۸)

سرِ حسین نے راہب سے بات کی اور قیامت میں اس کی شفاعت کا خود ذمہ لیا۔

اس دیو مالائی حکایت کے سلسلہ میں یہ لطیفہ بھی بیان ہوا ہے کہ محافظ دستہ کے سردار خولی نے اگلی منزل پر پہنچ کر جب راہب کے دیئے ہوئے دس ہزار درہم آپس میں تقسیم کرنے کی غرض سے مہریں توڑ کر تھیلیاں کھولیں تو درہموں کے بجائے مٹی کی کنکریاں برآمد ہوئیں۔ جن کے ایک طرف تو "لا تحسبن الله غافلاً عما يعمل الظالمون" لکھا ہوا تھا۔ اور دوسری طرف "وسيعلم الذين ظلموا اى منقلب ينقلبون" یہ حال دیکھ کر

خولی گفت انا لله وانا اليه راجعون خسر الدنيا والآخرة مردم خویش را گفت کہ راز پوشیدہ دارید (ناسخ التواریخ ج۲ ص۳۴۸)

خولی کہنے لگا انا للہ وانا الیہ راجعون خسر الدنیا والآخرۃ۔ اپنے لوگوں سے اس نے یہ تاکید کردی کہ اس راز کو چھپائے رہو[1]

یہ ہے اس اصل مواد کا ادنیٰ نمونہ جو سر کاٹنے اور ممالک اسلامیہ میں گشت کرانے کے سلسلہ میں راویوں نے اپنی تالیفات میں بیان کیا جس سے طبری وغیرہ

---

[1] ابو مخنف وغیرہ راویوں کا یہ کارنامہ قابل داد ہے کہ پوشیدہ رازوں کو بھی اسی نوے برس کی مدت منقضی ہو جانے کے بعد معلوم کر لیا اور اپنی تالیف کے ذریعہ دنیا بھر میں مشتہر کر دیا۔